

نقشِ حقیقی

دیوانِ غالبِ مصوّر



کاپی رائٹ



غالب کے نسخہ حمیدیہ کو مد نظر رکھتے ہوئے
میں اپنی اس کوشش کو

افتخار الملک ہرماٹینس نواب حمید اللہ خان بہادر

فرمانروائے بھوپال خلد اللہ ملکہ

کی علم دوستی و ادب نوازی کو نہایت خلوص کے ساتھ
پیش کرتا ہوں۔

محمد عبید الرحمن چغتائی

استدعا

”نقش چغتائی“ کا ایک ہلکا سا خاکہ ”مربع“ کی اشاعت کے وقت میرے پیش نظر تھا جس کی تکمیل نے یہ صورت اختیار کی ہے۔ ”مربع چغتائی“ کو جو مقبولیت اور کامیابی حاصل ہوئی وہ میری امیدوں سے بہت زیادہ ہے مگر اس اہم ضرورت کی تکمیل کے لئے کہ فنون جمیل کا ذوق ہماری زندگی کا ایک جزو بن جائے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے جس طرح ہر شعر اپنے اندر مختلف معنوی اور فنی کمال رکھتا ہے اسی طرح ہر تصویر جو حقیقتہً تصویر کہلانے کی تسبیح ہے اپنے اندر مختلف جذبات و کیفیات مضمر رکھتی ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ ایک ہی تصویر میں بہت سے شعروں کا سامان مہینا ہوتا ہے جن کا مطالعہ حقیقت بین افراد کے اپنے اپنے ذوق پر منحصر ہے۔

غالب کے پیش نظر کوئی رنگین تصویر یا کسی شعر کی تصویری صورت نہ تھی مگر اسکو فطرت سے ایسی نظر ملی تھی جو خارجی سامانوں کی محتاج نہ تھی اور چونکہ اس کا تخیل ”لمنی“ اور غیر فانی ہے اس لئے وہ قدیم بھی ہے اور جدید بھی ہے۔

یہ اہم مقصد ہمیشہ میرے پیش نظر رہا ہے کہ اپنی تہذیب اپنے علم و ادب اور اپنی روایات کی خدمت کی جائے میری اس کوشش کا بہترین ثبوت ”مصور عمر خیام کی اشاعت“ سے ملیگا جس کے لئے میں برسوں سے کوشاں ہوں۔ غالباً یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر میں اسے اپنے نقطہ نگاہ کے مطابق پایہ تکمیل کو پہنچا سکا۔ تو وہ ان تمام احسانات اور قرضوں کا جواب ہوگا جن کے لئے ایشیا عمر خیام کے سلسلہ میں مدت سے مغرب کا رہین منت ہے میری کتاب ”عمر خیام کی اشاعت“ Book 4 Mall نقشب چغتائی کے بعد شایع ہو رہی ہے اس کے شایع ہو جانے کے بعد میرے سامنے عمر خیام کی تکمیل کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ خدا مجھے توفیق دے کہ فن کی یہ خدمت انجام دے سکوں۔

امید ہے ”نقش چغتائی“ ”مربع“ سے بھی زیادہ وسعت نظر پیدا کریگا کیونکہ میری کوشش کے اغراض و مقاصد ”مربع“ سے بھی بلند اور فن کے اعتبار سے زیادہ عمیق ہیں۔

چغتائی

آرٹ

بعض حضرات کا شیوہ ہوتا ہے کہ جب کسی جدید مصوّر کی کوئی تصویر دیکھتے ہیں تو اُن دو چار چھپی ہوئی تصاویر کو جو کبھی اُن کی نگاہ سے گزر چکی ہوتی ہیں۔ ذہن میں لا کر ایک مبصرانہ اور بیش و کم حقارت آمیز انداز سے فرماتے ہیں۔ "اس مصوّر اور اسکی تصویروں پر جاپانی مصوّری کا اثر ہے۔" اہل فہم خوب جانتے ہیں کہ حقیقت اسکے برعکس ہے۔ بالکل برعکس۔ "اتامارو" کی خواتین ہندوستان کی شکستی کی اولاد ہیں ایسی اولاد جو جاپانی لباس میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ جاپانی طریقے سے بال سنواری ہے اور جس کے اعضا میں جاپان کا طبعی سبک پن ہوتا ہے۔ اندر میں حالات کیا یہ ہندوستانی آرٹسٹوں کا قصور ہے کہ جاپانی مصوّری میں اور ان کی مصوّری میں مشابہت ہے؟ اگر کسی کی صورت اپنے مورث اعلیٰ کی صورت سے ملے تو یہ مورث اعلیٰ کا قصور کیونکر ہو سکتا ہے؟

اسی قسم کے حضرات جب چغتائی کی تصاویر دیکھتے ہیں تو فرماتے ہیں۔ چغتائی ایرانی مصوّری سے متاثر ہے۔ "نادان یہ نہیں سمجھتے کہ یہ کوئی عیب کی بات نہیں۔ اور آخر چغتائی پر ایرانی اثر کیوں نہ ہو۔ چغتائی ایرانی النسل ہے۔ اس کا سلسلہ نسب اُن تاتاری مغلوں سے ملتا ہے جنہوں نے ہندوستان کو اپنا مسکن بنا لیا تھا اور جنہوں نے انجام کار موتی مسجد اور تاج محل جیسی رفیع الشان عمارتیں برپا کیں۔ میں یہ نہیں کتا

کہ چونکہ چغتائی ایرانی النسل ہے اس لئے اس کی مصوری میں ایرانی رنگ کی موجودگی لازمی ہے
 سولہویں اور سترہویں صدی کے مغل آرٹ کے بعض ماہرین پکے ہندو تھے اور آجکل کے
 بعض ہندوستانی مصور جو غیر ملکی آرٹ کی نقالیاں کرتے ہیں "پکے" کچھ بھی نہیں۔
 لیکن چغتائی! چغتائی کی بات بالکل مختلف ہے۔ اس کے دم سے ایرانی مصوری از سر نو
 زندہ ہو گئی ہے۔ اس مصوری میں اور اس مصوری میں فرق ہے تو صرف اتنا جو چغتائی
 کی عظیم شخصیت اور صدیوں کی آمد و شد کی وجہ سے لازمی تھا۔

چغتائی کے تصور میں آج بھی اکبر کے پر شکوہ زمانے کا ہندوستان بستا ہے۔
 جہاں تک آرٹ کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں چغتائی کا یہ تصور ہمارے لئے کارآمد ثابت
 ہوا ہے۔ اگر آج ہندوستان واقعی اکبر کے زمانے کا ہندوستان ہوتا تو یقینی طور پر
 چغتائی کوئی اور دنیا تخلیق کرتا۔ اور یہ بات دعوے سے کون کہہ سکتا ہے کہ وہ
 نئی دنیا بھی اسی قدر حسین ہوتی جیسی خوابوں کی یہ خوبصورت دنیا ہے جو چغتائی
 کے تخیل نے اب آباد کی ہے۔ یقینی بات صرف اس قدر ہے کہ وہ ایک نئی اور
 مختلف دنیا بناتا ضرور کیونکہ اس کا تعلق اس پر ازرومان گروہ سے ہے جن کا روان
 ہمیشہ ساحل دوش یا کنار فردا پر خمیزن ہوتا ہے۔ اس گروہ کا ایک رکن انگریز شاعر
 کیٹس تھا جو اپنے گرد و پیش کی دنیا سے بھاگ کر اپنے تخیل کی مخلوق یعنی
 یونانی دنیا میں پناہ گزین ہوا تھا۔

بیرون ایشیا جو چیز چغتائی کے مزاج پیدا کرتی ہے وہ اس کی تصاویر کا
 مشرقی تخیل اور فنی کمال ہے۔ اس کی تصاویر میں جو حیرت انگیز فنی کمال ہے وہ ہر
 صاحب فہم کا دل بھاتا ہے۔ لیکن ریلز سے وہ بعد جو چغتائی نے ارادۂ اختیار
 کیا ہے۔ ان لوگوں کے لئے باعث تشکر ہے جو اس چیز سے جس کو مرئی

حقیقت کہتے ہیں اکتا چکے ہیں اور تجزیہ کی حقیقت کے مُتلاشی ہیں۔ اس تجزیہ کی حقیقت کو واضح کرنا صہیوں سے مشرقی آرٹ کا مقصد اور مطمح نظر رہا ہے۔ اگر پُرانے ایرانی شاہکاروں اور چنتائی کی تصویروں کو سامنے رکھ کر موازنہ و مقابلہ کیا جائے تو واضح طور پر معلوم ہو جائیگا کہ ان میں یگانگت کس حد تک ہے اور کس حد تک چنتائی نے اُس جوش طبیعت سے جو ایک ایسے خلاق آرٹسٹ کا نشان امتیاز ہوتا ہے جو اپنی روایات سے کما حقہ آگاہ ہو اپنا ذاتی کمال ایزاد کیا ہے۔ قدیم ایرانی شاہکاروں میں اور چنتائی کی تصاویر میں غزل اور ایک نازک پرسکوت توازن مشترک ہیں۔ لیکن رنگوں کا خوبصورت امتزاج خطوط کی ہم آہنگی جس کی بدولت خطوط تصویر کے خطوط نہیں رہتے بلکہ اُن شاعرانہ جذبات کے جو الفاظ کی گراںباری کے شعلہ نہیں ہو سکتے۔ نقوش بن کر نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ لباس کی تزیین و ترتیب جس کا مقصد محض انسانی جسم کو مستور یا غریباں کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ جو بجائے خود ایک جمالیاتی کارنامہ ہے۔ اور ساسانی عمارات کا پس منظر جو انسانی تخیل کو اس دُنیا سے دُور رومان اور حُسن کی دُنیا میں لے جاتا ہے۔ یہ تمام صفات چنتائی کی خصوصیت ہیں اور اس کی تصاویر میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

(ترجمہ)

از سفری نقاد



rekhta

پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اسے خدا
افسونِ انتظارِ تمنا کہیں ہے





غزلیات

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تخیل کا
کاغذی ہے پیر بن ہر پیکرِ تصویر کا
کا و کا و سخت جانیں ہمارے تنہائیِ زنجیر کا
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

جذبہ اختیارِ شوق دیکھا چاہئے سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

آگہیِ دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مذہبِ عافیتا ہے اپنے عالمِ تخیل کا
بسکہ ہوں غالبِ اسیری میں بھی آتشِ زیرِ پا
مُوئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

جُز قیّس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
 آشفگی نے نقشِ سوید کیا درست
 تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
 لیتا ہوں مکتبِ غمِ دل میں سبقِ ہنوز
 دُخانِ کھن نے داغِ عیوبِ بربنگی
 تیشے بغیر مر نہ سکا کوہِ کن اسد
 کہتے ہو نہ دیجئے ہم دل اگر پڑا پایا
 عشق سے طبیعت نے زیتِ کارنمایا
 دوستدار دشمن ہے اعتمادِ دل معلوم
 سادگی و پُرکاری بخودی و ہشیاری
 غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل
 حالِ دل نہیں معلوم لیکن اس قدر مبینی
 شورِ پند ناصح نے زخمِ پر نہک چھڑکا
 دلِ مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا
 دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
 میں عدم سے بھی پرے ہوں در نہ غافلِ بارِ با
 عرض کیجئے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں
 دل نہیں تجھ کو دکھاتا در نہ داغوں کی بہار
 میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کر دل

صحرائِ مگر بہ تنگی چشمِ سود تھا
 ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دُود تھا
 جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا
 لیکن یہی کہ رفت گیا اور بُود تھا
 میں در نہ ہر لباس میں ننگ و جُود تھا
 سرشتِ حسّارِ رُوم و قیود تھا
 دل کہاں کہ گم کیجئے ہم نے مہِ پاپایا
 درد کی دوا پانی درد بے دوا پایا
 آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا
 حسن کو تغافل میں جرأت آزمایا
 خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا
 ہم نے بار بار ڈھونڈھا تم نے بار بار پایا
 آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا
 آتشِ خاموش کے مانسہ گویا جل گیا
 آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
 میری آہِ آتشیں سے بالِ عشا جل گیا
 کچھ خیال آیا تھا دشت کا کہ صحرایِ جل گیا
 اس چراغاں کا کروں کیا کار فرما جل گیا
 دیکھ کر طسّر نہ تپا کہ اہلِ نیل جل گیا

شوق ہر رنگ رقیب سرو سامان نکلا
 زخم نے داؤد دی تنگی دل کی یارب
 بوے گل نالہ دل دود چرخ محفل
 دل حسرت زدہ تھا مائدہ لذت درد
 ہے نو آموز فنا ہمت و شوارپند
 دل میں پھر گریہ نے ک شور اٹھایا غالب
 دھکی میں مر گیا جو نہ باپ خبر د تھا
 تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
 تالیف نغمہ بے وفا کر رہا تھا میں
 دل تاباں کر جاں دریائے خوں ہے ب
 جاتی ہے کوئی کشکش اندوہ عشق کی
 اجاب چارہ سازی دشت نہ کر سکے
 یہ لاش بے لطف اسد خستہ جاں کی ہے
 دہریش نقش وفادہ خیر تسلی نہ ہوا
 سبز خط سے ترا کا کل سرکش نہ دیا
 میں نے چاہا تھا کہ اندوہ دفا سے چھوٹوں
 دل گزر گا وہ خیال مے و ساغری سہی
 ہوں ترے وعدہ نہ کرنے پہ بھی رنجی کہ بھی
 کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجے ۱۰

قیس تصویر کے پردے میں بھی غریاں نکلا
 تیر بھی سینہ بسمل سے پڑ افشاں نکلا
 جو تری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا
 کام یاروں کا بقدر لب و دندان نکلا
 سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا
 آہ قطرہ نہ نکلا تھا سو طونساں نکلا
 عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا
 اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا
 مجموعہ خیال ابھی فرد فرد تھا
 اس رہگذر میں جلوہ گل آگے گرد تھا
 دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا
 زنداں میں بھی خیال بیاباں نور تھا
 حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا
 ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا
 یہ زمرہ بھی حریف دم افمی نہ ہوا
 وہ شکر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا
 گرفتار جاوہ سسہ منزل تقویٰ نہ ہوا
 گوش منت کش گلاباں گس تسلی نہ ہوا
 ہم نے چاہا تھا کہ مرجاں میں سو وہ بھی نہ ہوا

مرگیا صدہ زیک جنبش لب سے غالب
 ستائش گر ہے زاہد اس قدر بس باغ رضواں کا
 بیاں کیا کیجیے بیدا کا وہ شہانے مڑگاں کا
 نہ آئی بطلوت قاتل بھی مانع میرے نالوں کو
 دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے
 کیا آئینہ خانے کا وہ نقش تیرے جلوہ نے
 مری تعمیر میں مضر ہے اک صورت خرابی کی
 آگاہے گھر میں ہر سو ہنر ویرانی تماشا کر
 خموشی میں نہاں خوش گشتہ لاکھوں آرزو میں
 ہنوز اک پر تو نقش خیال یار باقی ہے
 بزل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں در نہ
 نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
 نظر میں ہے ہماری جاوہ راو فنا غالب
 محرم نہیں ہے تو ہی نوا اے راز کا
 رنگ شکستہ صبح بہار نظارہ ہے
 تو اور سونے غیر نظر اے تیز تیز
 صرف ہے ضبط آہ میں میرا ورنہ نہیں
 میں بسکہ جوش باد سے شیشے اچھل رہے
 کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز

ناتوانی سے حریف دم عینی نہ ہوا
 وہ اک گھدہ ہے ہم پنجو دوں کے طاق نیساں کا
 کہ ہر اک قطرہ خون دانہ ہے تسبیح مرہاں کا
 لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا
 مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغاں کا
 کرے جوں پر تو خورشید عالم بہشتاں کا
 بیولے برق خرمن کا ہے خون گرم دہقان کا
 ہمارا بکھو نے پر گھاس کہ ہے میسے دریاں کا
 چراغ مژدہ ہوں میں بے زباں گوہر غریباں کا
 دل افسردہ گویا مجھو ہے یوسف کے زنداں کا
 سبب کیا خواب میں آکر تبسم اے پناہ کا
 قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مڑگاں کا
 کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا
 یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
 یہ وقت ہے شگفتہ گھمانے ناز کا
 میں اور وہ کہ تری مژدہ اے دراز کا
 طعنے ہوں ایک ہی نفس جاگداز کا
 ہر گوشہ بسا ہے سر شیش باز کا
 ناخن چستہ برض اس گرد نیم باز کا

تاراج کاوش غم جہاں ہوا اسد
 بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
 شب ہوئی پھر انجم خشنده کا منظر کھلا
 گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب
 گو نہ سمجھوں اُس کی باتیں گو نہ پاؤں اُس کا بھید
 ہے خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال
 منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں
 در پہ رہنے کو کہا اور کہ کے کیسا پھر گیا
 کیوں اندھیری ہے شب غم ہے بلاؤں کا نزول
 کیا رہوں غربت میں خوش جب ہو حادث کا یہ حال
 اُسکی امت میں جی میں میرے رہیں کیوں کام بند
 شب کہ برق سوز دل سے زہرہ ابراب تھا
 واں کرم کو عذر بارش تھا عناں گیر خرام
 واں خود آرائی کو تھا موتی پروئے کا خیال
 جلوہ گل نے کیا تھا واں چہاں آب جو
 یاں سر پر شورشِ زنجواری سے تھا دیوار جو
 یاں نفس کرتا تھا روشن شمع بزمِ بخودی
 فرش سے تاعشراں طوفاں تھا مچ رنگ کا
 ناگمان اس رنگ سے خونِ نابہ چپکانے لگا ۱۹

سینہ کہ تھا دھیس نہ گہرا ہے راز کا
 رکھو یا رب یہ در گنجینہ گوہر کھلا
 اس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا در کھلا
 آستین میں دشنہ پنہاں ماتھے میں خنجر کھلا
 پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ بری پیکر کھلا
 خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا
 زلف سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے سنہ پر کھلا
 جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بس تر کھلا
 آج اُدھری کو رہے گا دیدۂ آخر تر کھلا
 نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ ہر اکثر کھلا
 واسطے جس شہ کے غالب گنبد ہے در کھلا
 شعلہ جہاں ہر اک سلسلہ گرداب تھا
 گریہ سے یاں پنپا بالش کن سیلاب تھا
 یاں بجوم اشک میں تازنگہ نایاب تھا
 یاں رواں شرکانِ چشم تر سے خونِ ناب تھا
 واں وہ فرقِ نازِ مخو بالمش کخواب تھا
 جلوہ گل واں بسا صحبتِ اجاب تھا
 یاں میں سے آسمان تک سوختن کا باب تھا
 دل کہ ذوق کا وثرِ ناخن سے لذتِ یاب تھا

نالہ دل میں شب اندازِ اثرِ نایاب تھا
 مقدم سیلاب کے دل کیا نشاطِ آبگسے
 نازشیں ایامِ خاکستر نشینی کیا کہوں
 کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یاں
 آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے
 یاد کرو وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا
 میں نے روکا راتِ غالب کو ورنہ دیکھتے
 ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب
 اب میں ہوں اور ماتم یکِ شہرِ آرزو
 گلیوں میں میری بخش کو کھینچے پھر کر میں
 موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال
 کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پڑا اب
 بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
 گر یہ چاہے ہے خرابیِ مرے کاشانے کی
 دوائے دیوانگیِ شوق کہ ہر دم مجھ کو
 جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
 عشرتِ قتلِ گر اہلِ تمناست پوچھ
 لے گئے خاک میں ہم داغِ تنائے نشاط
 عشرتِ پارہٴ دل زخیمِ تمنا کھانا ۲۰

تھا پسندِ بزمِ وصلِ غیر کو بے تاب تھا
 غامِ عاشقِ مگر سازِ صدا سے آب تھا
 پہلوئے اندیشہ و قنبتِ بسترِ سنجاب تھا
 ذرہٴ ذرہٴ رُوحِ خوشبیدِ عالِتاب تھا
 کل تک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا
 انتظارِ صید میں اک دیدہٴ بے خواب تھا
 اُس کے سیلِ گریں میں گردوں کفِ سیلاب تھا
 خونِ جگر و دینیتِ مرگِ کانِ یار تھا
 توڑا جو تو نے آئینہٴ مثالِ ازل تھا
 جاں دادہٴ ہوائے سر رہگذار تھا
 ہر ذرہٴ مثلِ جوہرِ تیغِ آبدار تھا
 دیکھا تو کم ہوئے چشمِ روزگار تھا
 آدمی کو بھی میسر نہیں آساں ہونا
 در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاہاں ہونا
 آپ جانا اُدھر اور آپ ہی جیساں ہونا
 جو ہر آئینہٴ بھی چاہے ہے مرگساں ہونا
 عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا
 تو ہو اور آپ بصدِ رنگِ گلستاں ہونا
 لذتِ ریشِ جگر غرقِ نسکہاں ہونا

نظف خرام ساقی و ذوق صدائے پرنگ
یہ بہشت نگار و فردا سرگوش ہے





کی مرے قتل کے بعد اُس نے جنا سے توبہ
 جیٹ اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
 شبِ غمِ شوقِ ساقی رنجِ اندازہ تھا
 یک قدمِ حشمتِ دریں دفترِ امکان کھلا
 مانعِ حشمتِ خرامی اُسے لیلیٰ کون ہے
 پوچھت رسوائی اندازِ استغنائے حسن
 نالاول نے دیئے اور اُن کی محنتِ دلِ بباد
 دوستِ غمخواری میں میری سہی فرمائینگے کیا
 بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تک
 حضرتِ ناصح گراؤ میں دیدہ و دلِ فرسِ راہ
 رنجِ و اس تیغِ کفنِ بانہ سے جوئے جاتا ہوں میں
 گر کیا ناصح نے ہم کو قیاسِ انجائیوں سی
 خانہ زادِ زلفِ ہیں زنجیر سے بھاگینگے کیوں
 ہے اب اس مورد میں قحطِ غمِ الفتِ اسد
 یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
 ترے وعدے پر سہیجے ہم تو یہ جانِ جھوٹ جانا
 تری ناز کی سے جانا کہ بندھا تھا عندِ بودا
 کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیکش کو
 یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوستِ ناصح ۱۵
 اے اُس زودِ پیشیاں کا پیشیاں ہونا
 جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا
 تاحیطِ بادِ صورتِ خانہِ خیازہ تھا
 جادہ اجڑائے دو عالمِ دشت کا شیرازہ تھا
 خانہِ مجنونِ صحر اگر دے دروازہ تھا
 دستِ مرہونِ حنا رخسار رہنِ خانہ تھا
 یادگارِ نالِ اک دیوان بے شیرازہ تھا
 زخم کے بھرنے تک ناخن نہ بڑھائیگے کیا
 ہم کیسے حالِ دل اور آپ فرمائینگے کیا
 کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیگے کیا
 عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیگے کیا
 یہ مجنونِ عشق کے اندازِ چٹ جائیگے کیا
 ہیں گزقار و فائزِ زنداں سے گھبرائیگے کیا
 ہم نے یہ مانا کہ دلی میں ہیں کھائیگے کیا
 اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
 کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
 کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا
 یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
 کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
 غم گرچہ چاہاں گنل ہے یہ کمان بھوس کہ دل ہے
 کون کس سے نہیں کہ کیا ہے شب غم ابھی با ہے
 ہونے مر کے ہم جو رٹوا ہونے کیوں فوق دریا
 اُسے کون دیکھ سکتا کہ یہ گناہ ہے وہ یکتا
 یہ مسائل تصوف۔ یہ ترا بیان غالب
 ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا
 تباہل پیشی سے نہ عا کیا
 نوازش ہائے یہ جہاد دیکھتا ہوں
 نگاہ بے محابا چاہتا ہوں
 فردغ شعلہ نفس یک نفس ہے
 نفس ہون ٹیٹا بے خودی ہے
 دماغ عطرہ میرا ہن نہیں ہے
 دل ہر قطرہ ہے سازا ابھر
 محابا کیا ہے۔ میں ضامن۔ ادھر دیکھ
 سن اے غارت گر جنس وفا سن
 کیا کس نے جگر داری کا دعوئے
 یہ قاتل و عسکر صبر نرنا کیوں
 بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات

ہے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
 غم عشق مگر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا
 بھگے کیا بڑا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
 نہ کہیں جسنا زہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا
 جو ڈوٹی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا
 تجھے ہم دلی بھگے جو نہ بادہ خوار ہوتا
 نہ ہو مرنا تو جیسے کا مرنا کیا
 کہاں تک اے سراپا ناز کیا گیا
 شکایت ہائے رنگیں کا بگلا کیا
 تغافل ہائے مستکیں آنا کیا
 ہوس کو پاس تا موس وفا کیا
 تغافل ہائے ساقی کا بگلا کیا
 غم آوارگی ہائے صبا کیا
 ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
 شمعیدانِ جگہ کا خوں بہا کیا
 جنگستِ قیمتِ دل کی صدا کیا
 شکیبِ خاطر عاشق بھلا کیا
 یہ کافر فتنہ طاقت ربا کیا
 عمارت کیا۔ اشارت کیا۔ ادا کیا

درخوہ قمر و غضب جب کوئی ہمسائہ ہوا
 بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود ہیں کہ ہم
 سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکیتانی کا
 کم نہیں نازشیں ہنجامی چشمِ خواں
 سینہ کا داغ ہے وہ ناکہ کہ لب تک نہ گیا
 نام کا میرے ہے جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا
 ہر بونٹو سے دم ذکر نہ ٹپکے خونِ ناب
 قطرہ میں دجلہ دکھائی ندے اور جزیریں گل
 تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑینگے پرزے
 پئے نذرِ گرم تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا
 نہ ہو حُسنِ تماشا دوستِ رسوا بیوفائی کا
 زکوۃ حسن سے اے جلوہ بینش کہ مہرِ ساسا
 نہ مارا جان کر بے جرمِ غافل تیری گردن پر
 تنائے زباں جو سپاس بے زبانی ہے
 دبی اک بات ہے جو باں نفسِ دلِ محنت گل ہے
 دہانِ ہر وقت پیغامِ جو زنجیرِ رسوائی
 نہ مے نامے کو اتنا طول غالب مختصر کہ مے
 گر نہ اند و شبِ فرقت بیاں ہو جائیگا
 زہرہ گر ایسا ہی شامِ حیرت ہوتا ہے آب ۱۰

پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پھیلا نہ ہوا
 اُلٹے پھر آئے در کعبہ اگر دا نہ ہوا
 رو برو کوئی بُت آئی نہ ہمسائہ ہوا
 تیرا بیستار بُرا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا
 خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریائے ہوا
 کام میں میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہ ہوا
 حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا
 کھیل لڑکوں کا ہوا دیدہ بیسنا نہ ہوا
 دیکھنے ہم بھی گئے تھے پرتماشا نہ ہوا
 بخونِ غلیظہ صد رنگ دعویٰ پارسائی کا
 بہ مہرِ صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا
 چرخِ خانہ درویش ہو کا سہ گداہی کا
 راما نہ خونِ بے گنہ حقِ آشنائی کا
 مشا جس سے تقاضا شکوہِ بیدست پائی کا
 چمن کا جلوہ باعث ہے مری نگینِ فانی کا
 عدم تک بے وفا چرچا ہے تیری بیوفائی کا
 کہ سرِ تنج ہوں عرضِ ستمائے جدائی کا
 بے تکلف داغِ مہرِ دہاں ہو جائیگا
 پر تو متا سبیلِ خانساں ہو جائیگا

لے تو لوں سوتے میں اُس کے پاؤں کا بوسہ مگر
 دل کو ہم صرف وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا
 سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو رہی ہوا
 گر نگاہ گرم فرماتی رہی تسلیم ضبط
 بلغ میں مجھ کو نہ لے جاوے میرے حال پر
 دائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
 فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسد
 اسد ہم دہ جنوں جوں گدائے بے سرو پایاں
 درو بہت کشش دوا نہ ہوا
 جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟
 ہم کہاں قسمت آزمائے جائیں
 کتنے شیریں ہیں تیرے لب کر قریب
 ہے خبر گرم اُن کے آنے کی
 کیا وہ نمود کی حسدانی تھی؟
 جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
 زخم گردب گیا لمو نہ تھمت
 رہزنی ہے کہ دستانی ہے!
 کچھ تو پڑھے کہ لوگ کہتے ہیں
 گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا

ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائیگا
 یعنی یہ پہلے ہی نذرِ اتحساں ہو جائیگا
 مجھ پر گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائیگا
 شعلہ خس میں جیسے خونِ گیس میں نہاں ہو جائیگا
 ہر گل تر ایک چشمِ خونِ نفاں ہو جائیگا
 اب تلک تو یہ توقع ہے کہ داں ہو جائیگا
 دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا
 کہ ہے سرخیزِ مرگاہن آہو پشتِ خار اپنا
 میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
 اک تماشا ہوا گمانہ ہوا
 تو ہی جب خنجرِ آزمائے ہوا
 گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا
 آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا
 بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
 حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
 کام گر کر گیا روا نہ ہوا
 لے کے دل دستاں روا نہ ہوا
 آج غالب غزل سرا نہ ہوا
 گھر میں نحو ہوا اضطرابِ دریا کا

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پارس مکتوب
 خانے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے بھی
 غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو
 ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہوں
 دل اُس کو پہلے ہی ناز واداسے مے بیٹھے
 نہ کہ کہ گریہ بقدر حسرت دل ہے
 فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں سکویا داسد
 قطرہ نے بسک حیرت سے نفس پرور ہوا
 اعتبار عشق کی خانہ خرابی دیکھنا
 جب بتقریب سفاریار نے محل باندھا
 اہل سینش نے ہجرت کدہ شوخی ناز
 یاس و اُمید نے یک عربہ سیداں مانگا
 نہ بندھے تشنگی ذوق کے مضمون غالب
 میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں
 ہے ایک تیر جس میں دو نوچھدے پڑے ہیں
 در ماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں
 گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو دیراں ہوتا
 تنگی دل کا بگڑ کیا یہ وہ کا فردل ہے
 بعد یک عمر درع بار تو دیتا بارے ۲۹
 کاش رضواں ہی دریا کا دریاں ہوتا
 مگر ستمزدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا
 دوام کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا
 مجھے دماغ نہیں خندہ مانے بیجا کا
 کرے ہے ہر بن موکام چشمِ بینا کا
 ہیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا
 مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا
 جفا میں اُس کی ہے انداز کار فرما کا
 خطِ جام نے سراسر رشتہ گوہر ہوا
 غیر نے کی آہ لیکن وہ تھا مجھ پر ہوا
 تپش شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا
 جو ہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا
 عجزِ بہت نے طلسمِ دل سائل باندھا
 گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا
 گرہیں نے کی تھی تو پستی کو کیا ہوا تھا؟
 وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا
 جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا
 بحرِ گرِ بحر نہ ہوتا تو بیا باں ہوتا
 کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
 کاش رضواں ہی دریا کا دریاں ہوتا

نہ تھا کچھ۔ تو خدا تھا۔ کچھ نہ ہوتا۔ تو خدا ہوتا
 ہوا جب غم سے یوں مجھیں تو غم کیا سر کے کئے کا
 ہوئی مدت کہ غالب مر گیا۔ پر یاد آتا ہے
 یک ذرہ زمیں نہیں بیکار باغ کا
 بے مے۔ کسے ہے طاقت آشوب آگ کی
 بلبل کے کار و بار پہ نہیں خندہ ہائے گل
 تازہ نہیں ہے نشہ فکر سخن مجھے
 سو بار بند عشق سے آزاد ہم ہوئے
 بے خون دل ہے چشم میں موجِ نگہ غبار
 باغِ شگفتہ تیرا۔ بساطِ نشاطِ دل

وہ مری چین جیوں سے غم پہناں سمجھا
 یک الف بیشش نہیں۔ صیقلِ آئینہ ہنوز
 شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطر مت پوچھ
 بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرمِ خرام
 عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بد خو ہوگا
 سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی
 تھا گریزاں مژدہ یار سے دلِ تادمِ مرگ
 دل دیا جان کے کیوں اُس کو۔ وفادارِ اسد

پھر مجھے دینے تر یاد آیا

ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
 نہ ہوتا گردِ جہاں سے تو زانو پر دھرا ہوتا
 وہ ہر اک بات پر کہنا۔ کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا
 یاں جادہ بھی قید ہے لالہ کے داغ کا
 کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خطِ ایام کا
 کہتے ہیں جس کو عشقِ خلل ہے داغ کا
 تریا کی مستدیم ہوں دودِ چراغ کا
 پر کیا کریں۔ کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا
 یہ سیکدہ خراب ہے کے سُرغ کا
 ابر بہار۔ عتکدہ کس کے داغ کا

رازِ مکتوب بہ بے ربطی عنوان سمجھا
 چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا
 اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا
 بُخ پہ ہر قطرہ عسرق دیدہ حیراں سمجھا
 نبضِ خس سے تپشِ شعلہ سوزاں سمجھا
 ہر قدم سایہ کو میں اپنے شبتاں سمجھا
 دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا
 غلطی کی کہ جو کافر کو مُسلاں سمجھا

دل جگر تشنہ فریاد آیا

دم لیا تھا نہ قیامت نے بنوڑ
 سادگی مانے تمنا - یعنی
 عذروا ماندگی - اے حسرت دل
 زندگی یوں بھی گزر رہی جاتی
 کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی
 آہ - وہ جڑا ست فریاد کہاں
 پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال
 کوئی دیرانی سی ویرانی ہے
 میں نے مجنوں پر لڑکپن میں کس
 ہوئی تاخیر - تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
 تم سے بچا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
 تو مجھے بھول گیا ہو تو پتہ بتلا دوں
 قید میں ہے ترے جی کو وہی زلف کی یاد
 بجلی اک کو نہ گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
 یوسف اسکو کھوں اور کچھ نہ کہے! خیر ہوئی
 دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجہ ٹھس ڈا؟
 پیش میں عیب نہیں رکھئے نہ فریاد کو نام
 ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
 پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق ۳۱

پھر ترا وقت سفر یاد آیا
 پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا
 نالہ کرتا تھا - جسک یاد آیا
 کیوں ترا راہ گزر یاد آیا
 گھر ترا حسلہ میں گر یاد آیا
 دل سے تنگ آکے جگر یاد آیا
 دل گم گشتہ مسکریا یاد آیا
 دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
 سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا
 آپ آتے تھے - مگر کوئی غماں گیر بھی تھا
 اُس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی تھا
 کبھی فراق میں تیرے کوئی پنجر بھی تھا
 ہاں کچھ اک رنج گراںباری زنجیر بھی تھا
 بات کرتے کہ میں لب تشنہ تقریر بھی تھا
 گر بگڑ بیٹھے تو میں لائق تعزیر بھی تھا
 نالہ کرتا تھا - ولے طالب تاثیر بھی تھا
 ہم ہی آشفۃ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا
 آخر اُس شوخ کے ترکش میں کئی تیر بھی تھا
 آدمی کوئی ہمارا دم تحسیر بھی تھا

ریتختے کے تہیں استاد نہیں ہو غالب
 لب خشک درخشگی مُردگان کا
 ہر نا اُمید ہی ہنسہ بگمانی
 تو دوست کسی کا بھی ستگر نہ ہوا تھا
 پھوڑا بہ غشب کی طبع دستِ قضا نے
 توفیق باندازۂ جنت ہے ازل سے
 جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدیار کا عالم
 میں سادہ دل آزر دگنی یار سے خوش ہوں
 دریاے معاصی تنکابی سے ہوا خشک
 جاری تھی اسد داغ جگر سے مرے تحصیل
 شب کہ وہ مجلس فروزِ خلوت ناموس تھا
 مشہبہ عاشق سے کوہوں تک جو اگتی ہے حنا
 حاصلِ الفت نہ دیکھا جزِ شکستِ آرزو
 کیا کہوں بیماری غم کی فراغت کا بیان
 آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے
 قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے
 حصِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا
 جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے
 مرنے کی اسے دل آوری تہمیر کر کہیں
 کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا
 زیارت کدہ ہوں دل آزر دگان کا
 میں ل ہوں غریب و فاخوردگان کا
 آوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا
 غورِ شید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا
 آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا
 میں معتقدِ فتنہ محشر نہ ہوا تھا
 یعنی سبقِ شوقِ مسکرت نہ ہوا تھا
 میرا سب دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
 آتشکدہ جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا
 ریشہ ہر شمعِ خارِ کسوتِ فانوس تھا
 کس قدر یارب ہلاکِ حسرتِ پابوس تھا
 دل بدل پیوستہ گویا اک لبِ افسوس تھا
 جو کہ کھایا خونِ دل بے منتِ کیسوس تھا
 صاحبِ کو دل نہ دینے پہ کتنا غور تھا
 اُس کی خطا نہیں ہے یہ میرا تصور تھا
 جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
 ہوں شمعِ کشتہ درخوردِ بھغل نہیں رہا
 شایانِ دست و بازو بے قابل نہیں رہا



مے سے غرض نشاں ہے کس زو سیاد کو
اک کو نہ بیخودی بجھے دن رات چاہئے



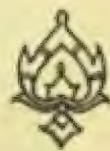
برزوئے شش جت در آئینہ باز ہے
 واکر دیے ہیں شوق نے بند نقابِ حُسن
 گو میں رہا۔ رہیں ستم بائے روزگار
 دل سے ہوائے کشت و فامت گئی کرداں
 بیدا و عشق سے نہیں ڈرتا۔ مگر ہمد
 رشک کہتا ہے۔ کہ اُس کا غیر سے اخلاص حیف
 ذرہ ذرہ۔ ساغرِ میخانہِ نیرنگ ہے
 شوق ہے۔ ساماں طرازِ نازش اربابِ عجز
 میں۔ اور اکافت کا کھڑا وہ دل حشی کہ ہے
 شکوہ سنج رشک ہمدیگر۔ نہ رہنا چاہئے
 ربطیک شیرازہ وشت ہیں اجزائے بہار
 کو کبن نقاش یک مثال شیریں تھا ہمد
 ذکر اُس پر پیوش کا اور پھر بیاں اپنا
 مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یارب
 منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
 دے وہ جس قدر دولت ہم ہنسی میں ٹالینگے
 درد دل کتنوں کب تک جاؤں انکو دکھلاؤں
 گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا
 تاکرے نہ غمازی کریا ہے دشمن کو

یاں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا
 غیر از نگاہ اب کوئی حامل نہیں رہا
 لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
 حامل۔ سولے حسرت حاصل نہیں رہا
 جس دل پہ ناز تھا۔ مجھے وہ دل نہیں رہا
 عقل کہتی ہے۔ کہ وہ بے مہر کس کا آشنا
 گردش مجنون۔ چپکھما بے لیل آشنا
 ذرہ۔ صحرا و سنگا و۔ قطرہ۔ دریا آشنا
 عافیت کا دشمن۔ اور۔ آوارگی کا آشنا
 میرا زانو موہنس۔ اور آئینہ تیرا آشنا
 سبزہ بیگانہ صبا آوارہ گلِ نا آشنا
 سنگ سے سرمایہ کر ہو دے نہ پیدا آشنا
 بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا
 آج ہی ہوا منظور اُن کو آج اس اپنا
 عرش سے اُدھر ہوتا کا شکے مکاں اپنا
 بارے آشنا بھلا اُن کا پاساں اپنا
 انگلیاں نگار اپنی خامہ خوں چکاں اپنا
 ننگ سجدہ سے میرے سنگ آستان اپنا
 دوست کی شکایت میں ہم نے ہمزباں اپنا

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
 سُرّہ مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے
 رخصت نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم
 غافل ہو ہم ناز خود آرا ہے دریاں
 بزم قہج سے عیش تنانہ رکھ کر نگ
 رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
 مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے
 جاں درجوانے یک نگہ گرم ہے اسد
 جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا
 رات دن گردش میں میں سات آسماں
 لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ
 ہونے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ
 موج خوں سر سے گزری کیوں جانے
 عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
 پوچھتے ہیں کہ غالب کون ہے
 لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
 حریص جوشش دریا نہیں خود دار مٹی سائل
 عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
 تجھ سے قسمت میں مری صورت قفل ابجد ۲۰
 بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا
 کہ رہے چشم خردار پہ آسماں میرا
 تیرے چہرے سے ہونکا ہر غم ہنسماں میرا
 بے شانہ مصائبیں سُرّہ گیاہ کا
 صید ز دام جستہ ہے اس ام گاہ کا
 شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا
 پُر گل خیال جسم سے امن بگاڑ کا
 پروانہ ہے دکیل ترے داد خواہ کا
 کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا
 ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرا نہیں کیا
 جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
 یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا
 آستان یار سے اٹھ جائیں کیا
 مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا
 کوئی بتلاؤ کہ ہسم بتلائیں کیا
 چمن زنگار ہے آئینہ باد بہاری کا
 جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا
 درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا
 تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

دل ہوا کشمکش چارہ زحمت میں تمام
 اب جفا سے بھی ہیں محسوس ہم اللہ اللہ
 ضعف سے گریہ مبتدل بہ دم سرد ہوا
 دل سے مبتلا تری انگشت خانی کا خیال
 ہے مجھے ابرہاری کا برس کر کھلنا
 گر نہیں نکست گل کو ترے کوچہ کی ہوس
 تاکہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوا سئے صقل
 بخشے ہے جلوہ گل ذوق تماشا غالب
 شمار جو مرغوب بت مشکل پسند آیا
 فیض بے دلی نو میدی جاوید آساں ہے
 ہوائے سیر گل آئینہ بے مہر قاتل
 جرات تختہ الماس اصفاں اف جگر بہ یہ
 نہ ہو گا یک بیا بان ندگی سے ذوق کم سیرا
 محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے نافرمانی ہے
 سراپا رہن عشق و ناگزیر افسانہ ہستی
 بقدر ظن ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی

مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا وا ہو جانا
 اس قدر دشمن ار باپ وفا ہو جانا
 باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا
 ہو گیا گوشت سے ناخن کا جُدا ہو جانا
 روتے روتے غم فرقت میں فنا ہو جانا
 کیوں ہے گردِ رو جولان صبا ہو جانا
 دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا ہو جانا
 چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا
 تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا
 کشائش کو ہمارا اعتدال مشکل پسند آیا
 کہ اندازِ بخونِ سلطیدنِ سہل پسند آیا
 مبارکبادِ سد غمخوار جانِ درد مند آیا
 جنابِ موجِ رفتار ہے نقش قدم میرا
 کہ سوچ بئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا
 عبادتِ برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا
 جو تو دریائے نے ہے تو میں خیالِ دھوئیں حاصل کا



ب

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا مویں شراب
 پوچھ مت دیر سیرستی ار باب چمن
 جو ہوا غرقے بخت رسا رکھتا ہے
 ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر
 چار مویں اٹھتی ہے طوفان طرب سے ہر سو
 جس قدر مویں بباقی ہے جگر تشنہ ناز
 بسکہ دڑے ہے رگ تاک میں خوں ہو ہو کر
 مویں گل سے چراغاں ہے گز گاہ خیال
 نشہ کے پردے میں ہے عورتا شاے داغ
 ایک عالم پہیں طوفانی کیفیت فصل
 شرح ہنگامہ ہستی ہے زہے موسم گل
 ہوش اڑتے ہیں مرے جلوہ گل دیکھ اسد

دے بٹائے کو دل و دست شامویں شراب
 سایہ تاک میں ہوتی ہے ہوا مویں شراب
 سر سے گزے پھی ہے بال ہما مویں شراب
 مویں ہستی کو کرے فیض ہوا مویں شراب
 مویں گل مویں شفق مویں صبا مویں شراب
 دے ہے تسکین ہر دم آپ بقا مویں شراب
 شہر رنگ سے ہے بال کشا مویں شراب
 ہے تصور میں زہیں جلوہ غام مویں شراب
 بسکہ کہتی ہے سہر نشو و نما مویں شراب
 مویں ہرزہ فوجیہ سے تما مویں شراب
 رہبر قطرہ دریا ہے غشا مویں شراب
 پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا مویں شراب

ت

افسوس کہ دیداں کا کیا رزق فلک نے
 کافی ہے نشانی تری پھلے کا نہ دینا ۴۰

جن لوگوں کی تھی درخور عقہ گہر انگشت
 خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت

فہم اس کو حسرت پروانہ کا ہے اسے شعلہ
تیرے لڑنے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع





لکھتا ہوں کہ سوزِ دل سے سخن گرم
 رہا کہ کوئی تا قیامت سلامت
 جگر کو مرے عشقِ خوں ناپہ مشرب
 علی الزعم دشمنِ شہید وفا ہوں
 نہیں گر سروِ برگِ ادراکِ معنی
 مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب
 آہِ خط سے ہوا ہے سروِ جوازارِ دوست
 اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
 خانہِ ویراں سازیِ حیرت تماشا کیجئے
 عشق میں بیدارِ رشکِ غیر نے مارا مجھے
 چشمِ مارو شن کہ اُس بیدار کا دل شاد ہے
 غیروں کرتا ہے میری کپڑوں کے بھر میں
 تاکہ میں جانوں کہ ہے اُس کی رسائی واں تنک
 جبکہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہِ ضعیفِ دماغ
 چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
 مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجئے
 یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آئی ہے آپ ۴۵

تارکہ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت
 پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت
 لکھے ہے خداوندِ نعمت سلامت
 مبارک مبارک سلامت سلامت
 تماشا نے نیز نگِ صورت سلامت
 یار لائے مری بالیں پہ اُسے پر کس وقت
 دُودِ شمعِ کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست
 کون لا سکتا ہے تاب جلوہ دیدارِ دوست
 صورتِ نقشِ قدم ہوں رفتہ رفتارِ دوست
 کشتہ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا ہمارِ دوست
 دینِ پر خوں ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست
 بے تکلف دوست ہو صیصے کوئی غمخوارِ دوست
 بھکو دیتا ہے پیامِ وعدہ دیدارِ دوست
 سر کرے ہے وہ حدیثِ زلفِ عنبرِ بارِ دوست
 ہنس کے کرتا ہے بیانِ شفی غفارِ دوست
 یا بیاں کیجے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست
 ہے روینِ شعر میں غالب زہیں بکارِ دوست

ج

گلشن میں بند و بست بربگ و گر ہے آج
آتا ہے ایک پارہ دل ہر فناں کے ساتھ
لمے عافیت کنارہ کر اسے آنکھ سام چل
لو ہم مریض عشق کے تیمار دار ہیں
قمری کا طوق ملے، بیرون در ہے آج
تا نفس کسٹہ شکار اثر ہے آج
سیلاب گریہ درپے دیوار دور ہے آج
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

ج

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
کابل گرمی سہمی تماشوں دید نہ پوچھ
تجھے بہاؤ راحت ہے انتظار لے دل
تری طرف ہے بہ حیرت نظارہ زنگس
مرے قلع میں ہے صبا ئے آتش پناہ
بنیم غمزہ ادا کر حق و دیمت ناز
اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ
برنگ خار مرے آئینہ سے جوہر کھینچ
کیا ہے کس نے اشارہ کرنا بستر کھینچ
بکوری دل و چشم رقیب ساغر کھینچ
نیام پردہ زخم جگر سے خنجر کھینچ
بروئے سفرہ کباب دل سندر کھینچ

د

حسن غمزے کی کشاکش سے چٹھامیرے بعد
منصب شیفگی کے کوئی قابل نہ رہا
شمع بجتی ہے تو اُس میں سے دھواں اُٹھتا ہے
بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد
ہوئی معزولی انداز و ادا میرے بعد
شعلہ عشق سیر پوشش ہوا میرے بعد

خوں ہے دل خاک میں احوالِ بیاں پر یعنی
 درخوہِ عرض نہیں جو ہر سببِ اد کو جا
 ہے جنوں اہل جنوں کے لیے آغوشِ دواع
 کون ہوتا ہے حریفِ مے مردِ افکنِ عشق
 غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
 آئے ہے یکسی عشق پہ رونا غالب

بلا سے ہیں جو یہ پیشِ نظرِ دردِ دیوار
 و فوارِ اشک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ
 نہیں ہے سایہ کہ سن کر نویدِ قدمِ یار
 ہوئی ہے کس قدر ارزانی مے جلوہ
 جو ہے تجھے سہرِ سودا سے انتظار تو آ
 ہجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے
 وہ آ رہا مرے ہمایہ میں تو سائے سے
 نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی
 نہ پوچھ بیخودی عیشِ مقدمِ سیلاب
 نہ کہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانے میں
 گھر جب بنا لیا ترے در پر کے بغیر

نگاہِ شوق کو ہیں بالِ و پر دردِ دیوار
 کہ ہو گئے مرے دیوار و در دردِ دیوار
 گئے ہیں چند قدمِ پیشتر دردِ دیوار
 کہ مست ہے ترے کوچہ میں ہر دردِ دیوار
 کہ ہیں دکانِ مستِ غنچہِ نظر دردِ دیوار
 کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر دردِ دیوار
 ہوئے فدا دردِ دیوار پر دردِ دیوار
 ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر دردِ دیوار
 کہ ناپختہ ہیں پڑے سر بسر دردِ دیوار
 حریفِ رازِ محبت مگر دردِ دیوار
 جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کے بغیر

کہتے ہیں جب ہی نہ مجھے طاقت سخن
 کام اُس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں
 جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے وگر نہ ہم
 چھوڑ دنگ میں اُس بت کا فر کا پوچھنا
 مقصد ہے ناز و غمزہ و لے گفتگو میں کام
 ہر چند ہوشا ہر حق کی گفتگو
 بہر ہوں میں تو چاہیے دونا ہوا التفات
 غالب نہ کہ حضور میں تو بار بار عرض
 کیوں جل گیا نہ تاب نہ یار دیکھ کر
 آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے
 کیا آبرو نے عشق جہاں عام ہو جہاں
 اتنا ہے میرے قتل کو پر جوش رشک سے
 ثابت ہوا ہے گردن میں نا پہ خون حشوت
 و احسنا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
 یک جاتے ہیں ہم آپ شاع سخن کے ساتھ
 زنتار باندہ سبب و صد دانہ توڑ ڈال
 ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
 کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں مرے
 گر فی تھی ہم پہ برق تجسلی نہ طور پر

جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کے بغیر
 یوں نہ کوئی نام ستمگر کے بغیر
 سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کے بغیر
 چھوڑے نہ خلق کو مجھے کافر کے بغیر
 چلتا نہیں ہے دشمنہ و خنجر کے بغیر
 بنی نہیں ہے باد و ساغر کے بغیر
 سنا نہیں ہوں بات مکر کے بغیر
 ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کے بغیر
 جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر
 سرگرم نالہائے شہر بار دیکھ کر
 رکتا ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر
 مرتا ہوں اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر
 لرزے ہے موج سے تری زقار دیکھ کر
 ہم کو حسریں لذت آزار دیکھ کر
 لیکن عیسار طبع حسریہ دیکھ کر
 رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر
 جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر
 طوطی کا عکس سجھے ہے زنگار دیکھ کر
 دیتے ہیں بادہ خرفہ قمع خوار دیکھ کر

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا
 لرزتا ہے مراد دل زحمت مہر درخشاں پر
 نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خاندانی
 فنا تعلیم درس بخودی ہوں اُس زمانے سے
 فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے
 نہیں اقلیم الفست میں کوئی طواری ناز ایسا
 مجھے اب دیکھ کر ابر شفق آلودہ یاد آیا
 بحسن پرواز شوق ناز کیا باقی راہوگا
 نہ لانا صبح سے غالب کیا ہوا اگر اس شدت کی
 ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشاعے میں نشان اور
 یارب وہ نہ بچے ہیں نہ بچیں گے مری بات
 ابرو سے ہے کیا اُس نگہ ناز کو پہونڈ
 تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اٹھیں گے
 ہر چند بیکشت ہوئے بُت شکنی میں
 ہے خون جگر جوش میں دل کھول کے روتا
 مڑتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے
 لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا
 لیتا نہ اگر دل تمیں دیتا کوئی دم حسین
 پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے

یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر
 میں ہوں وہ قطرہ شبہم کہ ہو غار بیاباں پر
 سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر
 کہ مینوں لام الف لکھتا تھا دیوار دبستان پر
 ہم گر صلع کرتے پار مانے دل نسکاں پر
 کہ پشت چشم جس کی نہ ہو دے مہر عنوان پر
 کہ وقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر
 قیامت اک ہوا ہے تند ہے خاک شہیداں پر
 ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر
 کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور
 دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور
 ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کہاں اور
 لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور
 ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگ گراں اور
 ہوتے جو کئی دیدہ خونسباہ فشاں اور
 جلاد کو لیکن وہ کسے جائیں کہ ہاں اور
 ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور
 کرتا (جو نہ مڑتا) کوئی دن آہ و فغاں اور
 رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

میں اور بھی دنیا میں سمجھ رہا ہوں کہ
 صفائے حیرت آئینہ ہے سامانِ رنگ آخر
 نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیرِ دشت کی
 جنوں کی دست گیری کس سے ہو کر ہو نہ غریبی
 برنگ کاغذِ آتش زدہ نیز رنگ بے تابانی
 فلک سے ہم کو عیشِ روز کا کیا کیا تقاضا ہے
 ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کر رکھتا ہے
 فنا کو سوچ کر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
 اسدِ بسل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
 ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خواہاں بھیجے عاشق میں
 لازم تھا کہ دیکھو مرا راستہ کوئی دن اور
 مٹ جانے کا سر گر ترا پتھر نہ دیکھے گا
 آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
 جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
 ہاں اے فلک پیر جاؤں تھا ابھی عارف
 تم ماہِ شب چار دہم تھے مرے گھر کے
 تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے
 مجھ سے تمہیں نفرت سی نیز سے لڑائی
 گزری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور
 تغیرِ آبِ برجامندہ کا پاتا ہے رنگ آخر
 ہوا جامِ زمرہ بھی مجھے داغِ پتنگ آخر
 گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر
 ہزار آئینہ دل باندھے ہے بالِ یک پیدن پر
 ستارِ بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرضِ رہزن پر
 شعاعِ ہجر سے تمتِ نگہ کی چشمِ روزن پر
 فروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوفِ گھمن پر
 تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر
 تکلفِ بر طرف مل جائیگا تجھ سارِ قیب آخر
 تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور
 ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور
 مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور
 کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور
 کیا تیسرا پگڑتا جو نہ مڑتا کوئی دن اور
 پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور
 کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
 بچوں کا بھی دیکھا نہ تھا شا کوئی دن اور
 کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

ناداں ہیں جو کہتے ہیں کہ کیوں جیتے ہو غالب قسمت میں ہے مرنے کی تنہا کوئی دن اور

ز

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح و بہار
ہے نازِ مغلّساں زراز دستِ رفتہ پہ
یہ سناؤ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں
حریفِ مطلب مشکل نہیں فسونِ نیاز
نہ ہو بہرِ زہ سیاہاں نور و وہم و جود
وصالِ جلوہ تماشا ہے پردہ ماغ کہاں
ہر ایک ذرّہ عاشق ہے آفتابِ پرست
نہ پوچھو وسعتِ میخانہ جنوں غالب
وسعتِ سعی کرم دیکھ کہ سرتاسرِ خاک
یک قلم کاغذِ آتش زدہ ہے صفحہ دشت
کیونکر اس بُت سے رکھوں جان عزیز
دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے
تاب لاتے ہی بنے گی غالب
نہ گلِ نغم ہوں نہ پردہ ساز
تو اور آرائشِ نسیم کا کل
لافِ تمکینِ سیریب سادہ دلی ۵۱ ہم ہیں اور رازِ نامے سینہ گداز

ہے داغِ عشق زینتِ جیب و کفن ہنوز
ہوں گلِ فردوسِ شوخی داغِ کمن ہنوز
خمیازہ کھینچے ہے بتِ بیداد فن ہنوز
و عاقبول ہو یا رب کہ عمرِ خضر دراز
ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیبِ فراز
کہ دستِ سجّ آئینہ انتظار کو پرواز
گئی نہ خاک ہوئے پر ہوائے جلوہ ناز
جہاں بہ کاسہ گردوں ہے ایک خاک انداز
گزرے ہے آبلہ پا ابر گنسر بار ہنوز
نقشِ پامیں ہے تپ گرمی رفتار ہنوز
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز
ہے ترے تیسرے کا پیکان عزیز
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز
میں اور اندیشہاں دور و دراز
ہم ہیں اور رازِ نامے سینہ گداز

ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد
وہ بھی دن ہو کہ اُس ستمگر سے
نہیں مل میں مرے وہ قطرہ فوں
اے ترا جلوہ یک قلم انگیز
تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو
مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا
اسد اللہ خاں ستام ہوا
ورنہ باقی ہے طاقت پر واز
ناز کچھ پنوں بجائے حسرتِ ناز
جس سے مرگیاں ہوئی نہ ہو گلباز
اے ترا ظلم سر بسر انداز
ریز ششِ سحر بندہ جو بین نیاز
میں غریب اور تو غریب نواز
اے دریغادہ رندِ شاہد باز

س

مرثدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے
جگر تشنہ آزارِ تسلی نہ ہوا
منہ گنیں کھولتے ہی کھولتے آکھیں ہے ہے
میں بھی رگ رگ کے نہ مڑتا جو زباں کے بدلے
دہن شیر میں جا بیٹھے لیکن اے دل
دیکھ کر تجھ کو چمن بسکہ منو کرتا ہے
مر گیا پھوڑ کے سر غالب وحشی ہے ہے
دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس
جوے غوں ہم نے بہائی بٹن ہر خار کے پاس
خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیار کے پاس
دشنہ لک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس
نکھرے ہو جیسے خوبانِ دل آزار کے پاس
خود بخود پہنچے ہے گل گوشہ دستار کے پاس
میٹھنا اُس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

ش

زیلوعے گزخس جو ہر طرادت ہنر خط سے ۵۲ لگادے خانہ آئینہ میں روئے نگار تہش



آزادی نسیم مبارک کہ ہر طرف
نوشے پڑے ہیں مطلقہ دامن ہوائے گل



فروغِ سن سے ہوتی ہے جلِ مشکل عاشق نہ بجھے شمع کے پاسے نکالے گر زخارِ شمس

ع

جادو رہ خور کو وقتِ شام ہے تارِ شمع چرخِ نگار سے ہے سوزِ جساودانی شمع
زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگِ خاموشی یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع
کرے ہے صرف یہ ایمائے شعلہ قصہ تمام بطرِ زاہلِ فنا ہے فسانہ خوانی شمع
غمِ اس کو حسرت پر دانہ کا ہے اے شعلہ ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع
ترے خیال سے روحِ بہتر از کرتی ہے بجلوہ ریزی باد و برفِ شانی شمع
نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ شگفتگی ہے شہیدِ گلِ حسرتِ زانی شمع
جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانی شمع

ف

بیمِ رقیب سے نہیں کرتے دواعِ ہوش مجبوریاں تک ہوئے اے اختیارِ حیف
بتلا ہے دل کر کیوں ہم اک بار جل گئے اے ناتامیِ نفسِ شمسِ بارِ حیف

ک

زخمِ پرچہ کیس کہاں طفلانِ بے پردانک کیا مرہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نک
گردِ راویار ہے سامانِ نازِ حسرتِ دل در نہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نک

مجھ کو ازانی رہے تجھ کو مبارک ہو جو
 شورجولاں تھا کنارہ بحر پر کس کا آج
 داد دیتا ہے مرے زخم جگر کی داہ واہ
 چھوڑ کر جانا تن مجروح عاشق حیف ہے
 غیر کی منت نہ کیچھو ننگا پئے تو فیہ درد
 یاد میں غالب تجھے وہ دن کہ وہ جوق میں
 آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک
 دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کام ننگ
 عاشقی صبر طلب اور تمنایا بیتاب
 ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
 پر تو خور سے ہے شبہم کو فنا کی تسلیم
 یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل
 غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج

نالا بلبل کا درد اور خندہ گل کا نمک
 گرد و سائل ہے بزمِ مہم جو دیا نمک
 یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جانک
 دل طلب کرتا ہے زخم اور رائیں میں افسانک
 زخم مثل خندہ قاتل ہے سہرا پانک
 زخم سے گرتا تو میں ملکوں سے پشنا قانک
 کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک
 دیکھیں کیا گزرے ہے قلمبرہ پہ گھر ہونے تک
 دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک
 خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خسر ہونے تک
 میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک
 گرمی بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک
 شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

گ

ہے تجھ کو گر یقین اجابت دانا مانگ
 یعنی بغیر یک دل بے مدعا مانگ
 آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد
 مجھ سے مرے گز کا حساب اخذ مانگ



ل

ہے کس قدر ہلاک فریب و فائے گل
آزادی نسیم مبارک کہ ہر طرف
جو تھا سو موج رنگ کے دھوکے میں مر گیا
خوش حال اُس حریف سیر مست کا کہ جو
ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے بہار
شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے
سلطوت سے تیرے جلوہ حسنِ غور کی
تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک
غالب مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو
بلبل کے کار و بار پہ میں خندہ مانے گل
ٹوٹے پڑے میں حلقہٴ دوام ہوا نے گل
اے دانے نالایب خویش نوا نے گل
رکھتا ہوشل سایہ گل سر پہا نے گل
میرا رقیب ہے نفسِ عطر سا نے گل
سینائے بے شرابِ دل بے ہوا نے گل
خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ دامن گل
بے اختیار دوڑے ہے گل رقصائے گل
جس کا خیال ہے گل جب قبائے گل

م

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
مضلیں بہم کرے ہے گنبدِ بازِ خیال
باد جو دیک جہاں ہنگامِ سپید الی نہیں
ضعف سے ہے نئے قناعت سے یہ ترکِ جستجو
دائم العسر اس میں لاکھوں تمنائیں اسد
بہ نالہ حاصلِ دل بستگی نسیم کر ۵۰
برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
میں درق گردانی نیرنگ یک بت خانہ ہم
میں چہرا غانِ شبستانِ دل پر دانہ ہم
میں دہالِ تکیہ گاہِ جستِ مردانہ ہم
جانتے ہیں سیٹھ پُرخوں کو زنداں خانہ ہم
متاع خانہ زنجیر جز صد معلوم

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم
وہ حلقہ بٹائے زلف کیس میں میں اسے خدا
رکھ لیجو میرے دعویٰ و راستگی کی شرم

ن

لوں امِ نخبِ خفتہ سے یک خوابِ خوش دے
وہ فراق اور وہ وصال کہاں
فرصتِ کار و بار شوقِ رکے
دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا
تھی وہ اک شخص کے تصور سے
ایسا آسان نہیں لہور دنا
ہم سے چھوٹا قمار خانہ عشق
فکرِ دنیا میں کھپاتا ہوں
مُضَعَل ہو گئے تو نے غالب
کی وفا ہم سے تو غیر اُس کو جفا کہتے ہیں
آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے
اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو
دل میں آجانے ہے ہوتی ہے جو غمش سے
ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا سجود
پائے افکار پہ جبے تجھے حرم آیا ہے
غالب یہ خون ہے کہ کہاں سے ادا کروں
وہ شبِ دروز و ماد و سال کہاں
ذوقِ نظارہ جسمِ سال کہاں
شورِ سودا نے خط و خال کہاں
اب وہ عنائی خیال کہاں
دل میں طاقت بگر میں حال کہاں
واں جو جاویں گرہ میں مال کہاں
میں کہاں اور یہ وبال کہاں
وہ عناصر میں امتداد کہاں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھنے کیا کہتے ہیں
جوئے و نفیس کو اندوہ رہا کہتے ہیں
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں
قبلے کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں
خارِ رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہیں

وہاں خود انسانی کو تھا موتی پر دہنے کا خیال
یاں ہجوم و شک میں تارنگہ نایاب تھا





اک شرر دل میں ہے اس سے کوئی گھڑنگا کیا
 دیکھنے لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ
 دشت و شیفہ اب مرثیہ کہوں شاید
 آبرو کیا خاک اس گل کی جو گلشن میں نہیں
 ضعف سے لے کر یہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں
 ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہ آفتاب
 کیا کہوں تار کی زندانِ غم اندھیر ہے
 رونق بستی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے
 زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
 بسکہ ہیں ہم اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے
 قطرہ قطرہ اک بیوٹی ہے نئے ناسور کا
 لے گئی ساتی کی نخوت مستلزمِ آشامی می
 ہوشِ رضعف میں کیا ناتوانی کی نمود
 تھی وطن میں شان کیا غالب کہ بغیر بیتِ قد
 عہدے سے مع ناز کے باہر نہ آسکا
 طلقے ہیں چشمائے کشادہ ہوئے دل
 میں اور صد ہزار نوائے جسگر خراش
 ظالم مرے گماں سے مجھے منفعلیں چاہ
 مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت ۶۵

آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں
 اس کی ہر بات پہ ہم نامِ خدا کہتے ہیں
 مر گیا غالب آشفۃ نوا کہتے ہیں
 ہے گریباں ننگِ پیرا بن جو دامن میں نہیں
 رنگ ہو کر اڑ گیا جو خوں کہ دامن میں نہیں
 ذرے اس کے گھر کی یاروں کے روزن میں نہیں
 پنہ نورِ صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں
 انجمن بے شمع ہے گر برقِ خرمین میں نہیں
 غیر سمجھا ہے کہ لذتِ زخم سوزن میں نہیں
 جلوہ گل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں
 خوں بھی ذوقِ درد سے فارغ مرے تن میں نہیں
 موج مے کی آج رگِ سینا کی گردن میں نہیں
 قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں
 بے تکلف ہوں وہ مشتبہ خس کہ کلغن میں نہیں
 گراک ادا ہو تو اُسے اپنی قضا کہوں
 ہر تارِ زلف کو نگہِ سرِ رسا کہوں
 تو اور ایک وہ نشیدن کہ کیا کہوں
 ہے ہے خدا نہ کردہ تجھے بیوفا کہوں
 میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آجھی نہ سکوں

صفت میں طعن افیاء کا شکوہ کیا ہے
 زہر ملتا ہی نہیں محب کو ستمگر ورنہ
 ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرتی ایک دن
 غرۂ اوج بنائے عالمِ امکاں نہ ہو
 قرض کی پیتے تھے نئے لیکن سمجھتے تھے کہاں
 ننہائے غم کو بھی اسے دل غنیمت جانئے
 وصول دھپتا اس سرپا ناز کا شیوہ نہیں
 ہم پر جفا سے ترک وفا کا گماں نہیں
 کس منہ سے شکر کیجیے اس لطفِ خاص کا
 ہم کو ستم عریض ستمگر کو ہم عزیز
 بوسہ نہیں نہ دیکھئے کشنام ہی سہی
 ہر چند جانگدازی قہر و عتاب ہے
 جاں مطرب ترا نہ بل من مزید ہے
 خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم
 ہے تنگ سینہ دل اگر آتش لکھ نہ ہو
 نقصان نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب
 کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت میں
 پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی
 جاں ہے بہائے بوسہ لے کیوں کہے ابھی

بات کچھ سرتو نہیں ہے کراٹھا بھی نہ سکوں
 کیا قسم ہے ترے ملنے کی کرکھا بھی نہ سکوں
 ورنہ ہم چھڑ گئے رکھ کر عذرتی ایک دن
 اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن
 رنگ لائنگی ہماری فاقہ مستی ایک دن
 بے صدا ہو جائیگا یہ ساز ہستی ایک دن
 ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیشتی ایک دن
 اک چھیر ہے وگرنہ مراد امتحاں نہیں
 پرسش ہے اور پائے سخن دریاں نہیں
 نامہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں
 آخر زباں تو رکھتے ہو تم گرداں نہیں
 ہر چند پشت گرمی تاب و تواں نہیں
 لب پر زوہ سنج زمزمۃ الاماں نہیں
 دل میں چھری چھوڑے گر خونچکاں نہیں
 ہے عابد دل نفس اگر آذر فشاں نہیں
 سو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں
 گویا جیس پہ سجدہ بت کا نشاں نہیں
 روح القدس اگر چہ مرا ہنسزباں نہیں
 غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیماں نہیں

مانع دشت نور کوئی تہہ نہیں
 شوق اُن دشت میں فوٹائے ہے بھٹک کر جہاں
 حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے
 رنج نو مہدی جاوید گوارا رہو
 سر کھجاتا ہے جہاں زخم سراپا ہوا جے
 جب کرم رخصت بیباکی و گستاخی سے
 غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
 مت مردک دیدہ میں بھونیکے گا
 برشکال گریہ عاشق ہے دیکھا چاہیے
 افسانہ گل سے غلط ہے دعویٰ وارستگی
 عشق تاثیر سے نو مہدی نہیں
 سلطنت دست بدست آئی ہے
 ہے تجلی تری سامان وجود
 راہ معشوق نہ رسوا ہو جائے
 گردش رنگ طرب کے ڈر ہے
 کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
 جہاں تیرے نقش قدم دیکھتے ہیں
 دل ہشتنگاں خال کنج دہن کے
 ترے سرو قامت سے اک قہ آدم

ایک چکر ہے مے پاؤں میں زنجیر نہیں
 جادہ غیسر از نگہ دین تصویر نہیں
 جادہ راہ وفا جز دم شمشیر نہیں
 خوش ہوں گر نالہ زبونی کش تاثیر نہیں
 لذت سنگ باندا زہد تقصیر نہیں
 کوئی تقصیر کج بخت تقصیر نہیں
 آپ بے بہرہ ہے جو معتقد تیر نہیں
 میں جمع سویدائے دل شہم میں آہیں
 کھل گئی مانسبہ گل سو جا سے دیوار چمن
 سرو ہے باوصف آزادی گرفتار چمن
 جاں سپاری شجرہ بید نہیں
 جام مے خاتم جمشید نہیں
 ذرہ بے پروا تو خورشید نہیں
 در نہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں
 غم محسوس می جاوید نہیں
 ہم کو جینے کی بھی امید نہیں
 خیابان فیساں ابرم دیکھتے ہیں
 سوید میں میر عہد دیکھتے ہیں
 قیامت کے فتنہ کو کم دیکھتے ہیں

تماشا کر اے محو آئینہ داری
 سراغِ نقبِ نالہ لے داغِ دل سے
 بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
 ملتی ہے خوں یار سے نارِ التہاب میں
 کب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں
 تا پھر نہ انتظار میں نیند آنے سے بھر
 قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
 مجھ تک کب اُن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
 جو سنکر وفا ہو فریب اُس پہ کیا چلے
 میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب سے
 میں اور خطِ وصل خدا ساز بات ہے
 ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
 لاکھوں لگاؤ ایک چہرہ انا نگاہ کا
 وہ نالہ دل میں خس کی برابر جگہ نہ پائے
 وہ ہنسرِ مدِ عاطبلی میں نہ کام آئے
 غالب چٹٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
 کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں
 ہیں آج کیوں ذلیل کر کل تک نہ تھی پسند
 جاں کیوں بکھنے لگتی ہے تن سے ہم سماع

تجھے کس تنہا سے ہم دیکھتے ہیں
 کشبِ زو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
 تماشا لے اہلِ کرم دیکھتے ہیں
 کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحتِ عذاب میں
 شبِ ہائے ہجر کو بھی رکھوں گرجا میں
 آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں
 میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
 ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہوشِ شراب میں
 کیوں بدگماں ہوں دوستِ دشمن کے باب میں
 ڈالا ہے تم کو دم نے کس بیچ و تاب میں
 جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
 ہے اک شکنِ پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں
 لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں
 جس نالہ سے شکاف پڑے آفتاب میں
 جس سحر سے سفینہ رواں ہو شراب میں
 پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہِ تاب میں
 یہ سوہن ہے ساقی کوثر کے باب میں
 گستاخیِ فرشتہ ہمارے جناب میں
 گروہِ صدا سمانی ہے چنگِ درباب میں

زو میں ہے خشن عمر کہاں دیکھئے تھے
 اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُد ہے
 اصل شود و شاہد و مشہود ایک ہے
 ہے مثل نمود و صورت پر وجود و بسر
 شرم اک ادا نے ناز ہے اپنے ہی سے سی
 آرایشِ حال سے فارغ نہیں بنوز
 ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شود
 غالب ندیم دو سسکا آتی ہے بونے دست
 حیراں ہوں دل کو روٹوں کہ پیوں بگر کو میں
 چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
 جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار
 ہے کیا جو کس کے باندھنے میری بلا ڈرے
 لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے تنگ و نام ہے
 چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
 خوابش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار
 پھر بخودی میں بھول گیا راہ کو نے یار
 اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا
 غالب مند اکرے کہ سوا ہر مند نہا
 ذکر میرا : ہدی بھی اسے منظور نہیں ۹۹

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پاس ہے رکاب میں
 جتنا کہ وہم غیر سے ہوں پیچ و تاب میں
 حیراں ہوں پھر شاہد ہے کس حساب میں
 یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و جاب میں
 میں کہتے ہے حجاب کہ میں یوں حجاب میں
 پیش نظر ہے آئینہ وایم نقاب میں
 میں خواب میں بنوز جو جاگے میں خواب میں
 مشغول حق ہوں بند گئی تو تراب میں
 مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں
 ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کہہ کر کو میں
 اے کاش جانتا نہ تری حسد گر کو میں
 کیا جانتا نہیں ہوں تھساری کمر کو میں
 یہ جانتا اگر تو لٹا تا نہ گھر کو میں
 پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بسر کو میں
 کیا پوچھتا ہوں بت بیدار کو میں
 جاتا و گرد ایک دن اپنی خبہ کو میں
 سمجھا ہوں دل پذیر متاع ہنس کو میں
 دیکھوں علی بسا دہر سالی گھر کو میں
 غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دو نہیں

وعدہ سیر گلستاں ہے خوشاطلاع شوق
 شاید ہستی مطلق کی کمر ہے عالم
 قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
 حسرت اسے ذوق خرابی کی وہ طاقت رہی
 میں جو کہتا ہوں کہ ہم لینے قیامت میں نہیں
 ظلم کر ظلم اگر لطف درین آتا ہو
 صاف دُر دی کش پیانا جم ہیں ہم لوگ
 ہوں غموری کے مقابل میں خائف غالب
 نالہ جز حسن طلب اسے ستم ایجاد نہیں
 عشق و مزدوری عشق کو خسرو کیا خوب
 کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ دستِ سلوم
 اہل بینش کو ہے طوفان حوادث مکتب
 واسطے محرومی تسلیم و بداحال وفا
 رنگ نیکین گل دلالہ پریشاں کیوں ہے
 سبد گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں
 نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا
 کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت
 کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
 دو نو جہان دے کے وہ سمجھے کہ خوش رہا

مرثوہ قتل معتمد رہے جو مذکور نہیں
 لوگ کہتے ہیں کہ ہے پرہیز منظور نہیں
 ہم کو قتلیدہ تنگ ظرفی منظور نہیں
 عشق پر عسیر بدہ کی گوں تن رنجور نہیں
 کس عورت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں
 تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں
 واسے وہ بادہ کہ افشردہ انگور نہیں
 میرے دعوے پر یہ نجات ہے کہ مشہور نہیں
 ہے تقاضاے جفا شکوہ بیداد نہیں
 ہم کو تسلیم نکو نامی سرمد نہیں
 دشت میں ہے مجھے عیش گھر باد نہیں
 لطف موج کم از سیلی استاد نہیں
 جانتا ہے کہ ہیں طاقت فرما نہیں
 گر چراغان سر ہر گز باد نہیں
 مرثوہ اسے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں
 دی ہے جائے دہن اس کو دم ایجاد نہیں
 یہی نقشہ ہے دلے اس قدر آباد نہیں
 تم کو بے مہربی یاران وطن یاد نہیں
 یاں آپڑی یہ شہرم کہ تکرار کیا کریں

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم
ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر
قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشت قیس میں آنا
دل نازک پس کے رحم آتا ہے مجھے غالب
دل لگا کر لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا
ہیں وال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
یہ ہم جو بھر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں
وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
نظر لگے نہ کہیں اُس کے دست و بازو کو
ترے جو اسر طرف کُلا کو کیا دیکھیں
نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
کوئی کہے کہ شب میں کیا بُرائی ہے
جو اوّل سامنے اُن کے تو مرجا نہ کہیں
کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں
علاوہ عید کے طہی ہے اور دن بھی شراب
جہاں میں ہو غم و شادی ہم ہیں کیا کام
تم اُنکے وعدہ کا ذکر اُن کیوں کرو غالب
تیرے تو سن کو صبا باندھتے ہیں ۱

تیرا پست نہ پائیں تو ناچار کیا کریں
ہو غم ہی جاگد از تو عنسوار کیا کریں
عشق کا اُس کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں
تعجب سے وہ بولایوں بھی ہوتا ہے زمانے میں
نہ کر سرگرم اُس کا فکر کو الفت آزمانے میں
بارے اپنی بکسی کی ہم نے پائی دادیاں
مہر گردوں ہے چراغ رکھنا رادیاں
کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں
ہم اور ج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں
شب فراق سے روز جزا یاد نہیں
بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں
جو جاؤں دیاں سے کہیں کو تو خیر باد نہیں
کہ آج بزم میں کچھ فست نہ و فساد نہیں
گداے کو چہ میحسا نہ نامراد نہیں
دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں
ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں

او کا کس نے اثر دیکھا ہے
 تیری سرعت کے مقابل لے عمر
 قید ہستی سے رہائی معلوم
 نشہ رنگ سے ہے واشد گل
 غلطی مانے مضامین مست پوچھ
 اہل تدبیر کی دامانہ گیسوں
 سادہ پُرکار میں خوباں غالب

ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں
 برق کو پا چستا باندھتے ہیں
 اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں
 مست کب بند قبا باندھتے ہیں
 لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں
 آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں
 ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
 کیوں گردش مدام سے گھبرانے دل
 یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے
 حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے
 کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
 رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
 کرتے ہو مجھ کو منہ قد ہو بس کس لیے
 غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
 سب کہاں کچھ لالہ گل میں نمایاں گئیں
 یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں
 تھیں نثارِ نقش گرد و دن کو پرے میں نہاں
 قید میں معقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر ۷۲

خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں
 انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں
 لوح جہاں پہ حرفت مکتور نہیں ہوں میں
 آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں
 فعل و زمرہ و زرد گوہر نہیں ہوں میں
 رُتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں
 کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں
 وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں
 خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں
 لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں
 شب کو آنکھ جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں
 لیکن آنکھیں روزِ بدین دیوارِ زنداں ہو گئیں



ما تبحر و حشت غرامی بائے لیلی کون ہے
خانہ مجنون صحرای گرد بے دروازہ تھا



سب قیوبوں سے ہوں ناخوش پر زبان ہسرے
 جوئے خون آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
 ان پر زادوں سے لینے غلہ میں ہم انتقام
 نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتیں اسکی میں
 میں چمن میں کیا گیا گویا دبستان کھل گیا
 وہ گاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں تار بال کے پار
 بسکرو کا میں نے اور سینہ میں بھریں پے پے
 داں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب
 جانفزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا
 ہم سو خدا ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
 رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
 یوں ہی گر و تار غالب تو لے اہل جہاں
 دیوانگی سے دوش پہ زنا بھی نہیں
 دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے
 ملنا تڑا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
 بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اوریاں
 شوریدگی کے ہاتھ سے سر پہ بال دوش
 گنجائش عداوت افیاء ایک طرف
 ڈرنا لہائے زار سے میرے خدا کو مان ۱۱

ہے زلیخا خوش کرمو ماہ کنساں ہو گئیں
 میں یہ بھجوں گا کہ شمعیں دو فردزاں ہو گئیں
 قدرت حق سے یہی حویں اگر داں ہو گئیں
 تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں
 بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں
 جو مری کوتاہی قسمت سے مرگیاں ہو گئیں
 میری آہیں نچسے چاک گریباں ہو گئیں
 یاد تھیں جتنی دعائیں صرف درباں ہو گئیں
 سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگ جاں ہو گئیں
 ہمتیں جب مٹ گئیں اجڑاے ایماں ہو گئیں
 مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں
 دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں
 یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں
 دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
 دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
 طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں
 صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں
 یاں ل میں ضعف سے ہوس یاں بھی نہیں
 آخر نوائے مرغ گرفتار بھی نہیں

دل میں ہے یار کی صفت مرگھاں کو دکوشی
 اس سادگی پہ کون نہ مر جائے لے خدا
 دیکھا ہند کو غلوت و جلوت میں بار بار
 نہیں ہے زخم کوئی بخینے کے زخور مے تن میں
 ہوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی
 و دیت خانہ بیدا کا دشمنے مرگھاں ہوں
 بیاں کس سے ہو غفلت گسری میرے شہتوں کی
 بکھو ہش مانع بے ربطی شور جنوں آئی
 ہوئے اس مہروش کے جلوہ تماشال کے آگے
 نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں چہ صحبت نہ مخالفت
 ہزاروں دل دیے جوش جنون عشق نے مجھ کو
 اسد زندانی تا شیر الفت لے خواہاں ہوں
 مرے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
 مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جانے
 یہ کن شہت شامل کی آم آہ ہے
 بھلا اسے نہ سہی کچھ مجھی کو جسم آتا
 خیال جلوہ گل سے خراب ہیں میکش
 ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ
 ہمارے شعروں اب صرف لگی کے ہند ۱۱
 حالانکہ طاقتِ شش خار بھی نہیں
 رشتے ہیں اور راتھ میں تلوار بھی نہیں
 دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں
 ہوا ہے تار اشک یا س پرستہ چشم سوزن میں
 کعبہ سیلاب باقی ہے بزمگنہ پنہ روزن میں
 نگین نام شاہ ہے مرا ہر قطرہ خوں تن میں
 شب سہو جو کہ دیں پنہ دیواروں کے وزن میں
 ہوا ہے خندہ اجباب بخینہ جیب و دامن میں
 پراختاں جو ہر آئینہ میں مثل ذرہ روزن میں
 جو گل ہوں گلشن میں گلشن میں تو ہوں گلشن میں
 یہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں
 خیم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں
 سوائے خون جگر سو جگر میں خاک نہیں
 و گردن تاب تو ان ٹال و پر میں خاک نہیں
 کہ غیر جلوہ گل مرگزار میں خاک نہیں
 اثر مے نفس بے اثر میں خاک نہیں
 شراب خانہ کے دیوار و در میں خاک نہیں
 سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں
 کھلا کر فائدہ عرض سنسہ میں خاک نہیں

رہا اہل عالم اہل بیت کے نبوت سے
بھرتے ہیں جس قدر جام و سونہر خانا خالی ہے





دل ہی تو ہے زنگِ خشت در دہرہ آنے کیوں
 دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستان نہیں
 جب وہ جمالِ خسرو صورتِ مہرِ نیروز
 دشنہ غمرہ جانتاں ناوکِ ناز بے پناہ
 قیدِ حیات و بندِ غم۔ اصل میں دونو ایک ہیں
 حسن اور اس حسنِ ظن رہ گئی بولہوس کی شرم
 واں وہ غرورِ عز و نازیباں یہ حجابِ پاسِ وضع
 ہاں وہ نہیں خضارِ پرست جاؤ وہ بے وفا سی
 غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
 غنچہ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کیوں
 پرشِ طرزِ دلبری کیجیے کیا کہ بن کے
 رات کے وقت مے پیئے ساتھ قریب کو لیئے
 غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھیے
 بزم میں اس کے رد و کیوں نہ غموش بیٹھیے
 میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی
 مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح
 کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی
 گرتے دل میں خیالِ وصل میں شوقِ کارِ نوال
 جو یہ کہے کہ ریت کیونکہ ہو رشکِ فارسی

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں
 بیٹھے ہیں رکھڑ پہ ہم غیر ہمیں اٹھائے کیوں
 آپ ہی ہوں نظارہ سوز پرے میں نہ چھپائے کیوں
 تیرا ہی عکسِ رخِ صبی سانسے تیرے آئے کیوں
 موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں
 اپنے پہ اعتماد ہے غیسر کو آزمائے کیوں
 راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں
 جس کو ہو دینِ دل غمزا کی گلی میں جائے کیوں
 روئے زار زار کیا کیجیے ہائے ہائے کیوں
 بوسہ کو چوتھا ہوں میں مزہ سے مجھے بتا کیوں
 اُسکے ہر اک اشارے سے بکھلے ہے یہ ادا کیوں
 آنے وہیاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کیوں
 سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کیوں
 اسکی تو خامشی میں بھی ہے یہی مدعا کیوں
 سن کے ستمِ ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کیوں
 دیکھ کے میری بخودی چلنے لگی ہوا کیوں
 آئینہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پاک کیوں
 ہوج محیطِ آب میں مائے ہمتِ دیا کیوں
 گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کیوں

خند سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو
 بقدر حسرت دل چاہیئے ذوق معاصی بھی
 اگر وہ سرد قد گرم حشر ام ناز آجاوے
 کعبہ میں جارنا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں
 طاعت میں تا ہے نہ مے و انگبیس کی لاگ
 ہوں مخوف نہ کیوں رہ و رسم ثواب سے
 غالب کچھ اپنی سسی سے لٹا نہیں مجھے
 وارث اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں ہو
 چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا
 ہے مجھ کو تجھ سے تذکرہ غیر کا گلہ
 ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے مسالہ
 ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
 ہنگامہ زبونی ہمت ہے نفع سال
 دار سگی بہانہ بیگانگی نہیں
 مٹتا ہے فوت فرصت ہستی کا غم کوئی
 اُس قدر خو کے در سے اب اٹھتے نہیں لہر
 قفس میں ہوں گرا چھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو

کہ چٹم تنگ شاید کثرت نظارہ سے وا ہو
 بھروں یک گوشہ دامن گر آب ہفت دریا ہو
 کف ہر خاک گلشن شکل قمری نال فرسا ہو
 بھولا ہوں حق صحبت اہل کنشت کو
 دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر ہشت کو
 ٹیڑھا لگا ہے قدامت سلم سر نوشت کو
 خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو
 کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں ہو
 ہے دل پہ باغش محبت ہی کیوں ہو
 ہر چند برسبیل شکایت ہی کیوں ہو
 اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں ہو
 ہم انجمن سمجھتے ہیں غلوت ہی کیوں ہو
 حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں ہو
 اپنے سے کر نہ غیر سے دشت ہی کیوں ہو
 عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں ہو
 اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں ہو
 مرا ہونا برا کیا ہے نواسخان گلشن کو

یوں اندھیری ہے شب تم ہے جہاں کا نور
آج اوجھری کو دیر لگا دین آہستہ رکھلا





نہیں گر ہمدی آساں نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے
 نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اس جرات پر
 خدا شرانے باقوں کو کر رکھتے ہیں کشکش میں
 ابھی ہم قتل گد کا دیکھنا آسان سمجھتے ہیں
 ہوا چرچا جو میرے پاؤں کی زنجیر منے کا
 خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سوار ابر آدے
 وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
 شہادت تھی مری قسمت میں جودی تھی یہ جو مجھ کو
 نہ لٹکان کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
 سخن کیا کہ نہیں سکتے کہ جو یاں ہوں جاہر کے
 مرے شاہ سلیمان جاہ سے نسبت نہیں غالب
 دھوتا ہوں جب میں پیئے کو اس سمیتن کے پانو
 دی سادگی سے جان پڑوں کو ہن کے پانو
 بھاگے تھے ہم بہت سو اسی کی سزا ہے یہ
 مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور
 اللہ سے ذوق دشت نور دی کہ بعد مرگ
 ہے جوش گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف
 شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں
 غالب مرے کلام میں کیونکر مر نہ ہو ۸۹

ندی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو
 کیا سینے میں جس نے خوچکاں مرگان سوزن کو
 کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو
 نہیں دیکھا شاد و رجوئے خوں میں تیرے توسن کو
 کیا بے تاب کاں میں جنبش جو ہرنے آہن کو
 سمجھتا ہوں کہ دھونڈھے ہے ابھی سے برقی خزن کو
 مرے تجنا میں تو کب سے میں گاڑو برہمن کو
 جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو
 رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو
 جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھو دیں جا کے معدن کو
 فریدون و جم و کھنجر و داراب و بہمن کو
 رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانو
 بیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو
 ہو کر اسیر دابے ہیں حسنزن کے پانو
 تن سے سوا انگار ہیں اس خستہ تن کے پانو
 ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پانو
 اڑتے ہوئے اٹھتے ہیں مرغ چمن کے پانو
 دکھتے ہیں آج اس بت نازک بدن کے پانو
 پیتا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پانو

دامن کو ہول ل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار
 اپنے کو دیکھتا نہیں ذوق ستم تو دیکھ
 واں پہنچ کر جو غش آتا پئے ہم ہے ہم کو
 دل کو میں اور مجھے دل مجھ و فارہکتا ہے
 ضعف سے نقش پئے مور ہے طوق گردن
 جان کر کیجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو
 رشک ہم طرمی و در و اثر بانگِ حزن
 سرازانے کے جو وعدے کو مکر چاہا
 دل کے خون کرنے کی کیا وجہ لیکن لپچار
 تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
 لکھنو آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی
 مقطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شہر
 لینے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب
 تم جانو تم کو غیسے جو رسم راہ ہو
 بچتے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے
 کیا وہ بھی بیگنہ کش حق ناشناس ہیں
 ابھرا ہوا نقاب میں ہے اُن کے ایک تار
 جب سیکہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
 سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست

یعنی یہ میری آہ کی تاشیر سے نہ ہو
 آئینہ تاکہ دیدہ پنچیر سے نہ ہو
 صدر وہ بانگِ زمیں ہوں قدم ہے ہم کو
 کس قدر ذوق گرفتاری ہم ہے ہم کو
 تیرے کو پے سے کمالِ وقتِ رم ہے ہم کو
 یہ نگاہِ غافل انداز تو سم ہے ہم کو
 نالہ مرغِ حسرتِ تیغِ دودم ہے ہم کو
 ہنس کے بولے کہ تیرے سر کی قسم ہے ہم کو
 پاس بے رونقی دین اہم ہے ہم کو
 ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو
 جو سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو
 عزمِ سیرِ بخت و طوفِ حرم ہے ہم کو
 جادہ رہ کشش کا فکرم ہے ہم کو
 مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
 قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو
 مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو
 مرتنا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
 مسجد ہو مدرس ہو کوئی خانقاہ ہو
 لیکن خدا کرے وہ تری جسد و گاہ ہو

غالب بھی گرنے ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
 گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو
 ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال
 ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے
 تھیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا
 ابھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
 جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا
 ہیں پھر ان سے لہنداؤں نہیں تیری قدر
 غلط نہ تھا میں غلط پرگماں تسلی کا
 بتاؤ اس مرثیہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرار
 مجھے جنوں نہیں غالب دے بقول صنو
 کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فناں کیوں ہو
 وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
 کیا غنوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
 وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑا ٹھہرا
 قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہم
 یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتاؤ
 غلط ہے جذبہ دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
 یہ فستہ آدمی کی خانہ دیرانی کو کیا کم ہے ۹۱

دنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو
 کسے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو
 کہ گرنے ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو
 حیا ہے اور یہی گو گو تو کیونکر ہو
 بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو
 جو تم سے شہر میں جس ایک دو تو کیونکر ہو
 وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو
 ہماری بات ہی پوچھیں نہ دو تو کیونکر ہو
 نہ مانے دین دیدار جو تو کیونکر ہو
 یہ فیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیونکر ہو
 فراق یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو
 نہ ہو جب دل ہی سینہ میں تو پھر نہیں باں کیوں ہو
 شہک سرزن کے کیا پوچھیں ہم سے سرگراں کیوں ہو
 نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا راز داں کیوں ہو
 تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستان کیوں ہو
 گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیان کیوں ہو
 کہ جب دل میں تھیں تم ہو تو آنکھوں کے نہاں کیوں ہو
 نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش دریاں کیوں ہو
 ہوئے تم دوست جسکے دشمن اس کا آساں کیوں ہو

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
 کما تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں سوائی
 نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب
 رہنے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
 بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
 پڑیے گریہ مار تو کوئی نہ ہو تیار دار

۵

از مہر تابہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ
 ہے بس نہ زار ہر در و دیوار عین سکدہ
 ناچار بیکسی کی بھی حسرت اٹھائیے
 طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ
 جس کی بہاریہ ہو پھڑاس کی خزانہ پوچھ
 دشواری رہ دسٹم منہ رہاں پوچھ

۶

صد جلوہ روبرو ہے جو مرگیاں اٹھائیے
 ہے سنگ پر براتِ معاش جنونِ عشق
 دیوار بارہشت مزدور سے ہے خم
 یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجیے
 طاق کماں کہ دید کا احساں اٹھائیے
 یعنی ہنوز بہشتِ طعن لانا اٹھائیے
 اے خانانِ خراب احساں اٹھائیے
 یا پردہ تبسم نہ پنا اٹھائیے
 مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے
 بھونٹیں آنکھ مبتلا عاجات چاہیے
 عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک در شخص پر ۹۱
 آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

سیکس میں زخون کے لیے ہم مصوری
 نے سے غرض نشاط ہے کس دسیا کو
 ہے رنگ لالہ گل نسیم جدا جدا
 سرپائے خم پہ چاہیے ہنگام بخودی
 یعنی چسپ گردش پیاہ صفات
 نشوونما ہے اصل سے غالب فروغ کو
 بساطِ عجز میں تھا ایک ل یک قطرہ خوں وہ بھی
 ہے اس شوق سے آزر وہ ہم چندے تکلف سے
 خیال مرگ کب تسکین دل آزر وہ کو بخشے
 نہ کرتا کاشن نہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہم
 نہ اتنا بزشش تیغ جفا پر ناز منسراؤ
 نے عشرت کی خواہش ساقی گردوں کیا کچھے
 مے دل میں ہے غالب شوقِ دل شکوہ ہجر
 ہے بزمِ بہتاں میں سخن آزر وہ لبوں سے
 ہے دہشتِ دجر پریشانی صبا
 زندانِ دہر میکہ گستاخ میں نہاد
 سیدادِ وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر
 تاہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
 غالب تراحوال سنا دینگے ہم ان کو ۹۲

تقریب کچھ تو بہ نسبت ملاقات چاہیے
 اک گونہ بخودی مجھے دنات چاہیے
 ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے
 رُوسوئے قبلہ وقت مناجات چاہیے
 عارف ہمیشہ مست ہے ذات چاہیے
 خاموشی ہی سے نکلے ہے جوبات چاہیے
 سو رہتا ہے باندا زچکیدن سرنگوں وہ بھی
 تکلفِ برطون تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی
 مرے دامِ تنائیں ہے اک صیدِ زبوں وہ بھی
 کہ ہوگا باعثِ افزائش دردِ دروں وہ بھی
 مے دیئے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی
 لینے بیٹھا ہے اک دوچار جامِ داڑگوں وہ بھی
 خدادہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی
 تنگ آئے میں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے
 یک بار لگا دو غم مے میرے لبوں سے
 زہار نہ ہونا طرفِ ان بے ادبوں سے
 ہر چند مری جان کو تھا ربطِ لبوں سے
 سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے
 وہ سن کے بلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا
 غم دنیا سے گر پانی بھی فرصت سرائے کی
 کھلے گا کس طرح مضمون مرے مکتوب کا یارب
 پٹنا پر نیاں میں شمس آتش کا آساں ہے
 انھیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
 ہماری سادگی تھی التفات ناز پر مرنا
 لکھ کو بے حادث کا تحمل کر نہیں سکتی
 کوں کیا خوبی اوضاع ابنائے زماں غالب
 حاصل سے ناتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی
 اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے
 کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے
 ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
 حالانکہ ہے یہ سیلی خارا سے لالہ رنگ
 کی اُس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا
 کیا خوب تم نے غیر کو بوس نہیں دیا
 رہنا ہے جو کہ سایہ دیوار یار میں
 ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا
 ہے بارے اعتماد وفاداری اس قدر
 درد سے میرے ہے تجھ کو بے قراری ہائے ۹۲

وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے
 فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی
 قسم کھائی ہے اُس کا فزنی کا قہ کے جانے کی
 دے شکل ہے حکمت دل میں سوز غم چھپانے کی
 اُسے تھے سیر گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی
 ترا آنا تھا ظالم مگر تہیہ جانے کی
 مری طاقت کہ ضامن تھی توں کے ناز اٹھانے کی
 بدی کی اُس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہانہ کی
 دل جوش گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی
 میں بھی جھلے ہوؤں میں ہوں داغ ناتمامی
 جس میں کہ ایک جیسے مور آساں ہے
 پر تو سے آفتاب کے ذرہ میں جان ہے
 غافل کو میرے شیشہ پے کا گمان ہے
 آدے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے
 پس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے
 فرمانروائے کشور ہندوستان ہے
 کس سے کہوں کہ دل غلجہ کا نشان ہے
 غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہ بان ہے
 کیا ہوئی ظالم تری فطرت شعاری ہائے ۹۳

تیرے دل میں گرنے تھا آشوبِ سیم کا چھل
 کیوں می غمخوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال
 عمر بھر کا تو نے پیمان وفا باندھا تو کیا
 زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوا ہے زندگی
 گل فشانے لے مارِ جہلوہ کو کیا ہو گیا
 شرمِ رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں
 خاک میں ناموسِ مہمانِ محبت مل گئے
 ہاتھ ہی تیغِ آزما کا کام سے جاتا رہا
 کس طرح کاٹے کوئی شب لے تارِ بربکال
 گوشِ بھو پر پیام و چشمِ محسوسِ جمال
 عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی دشت کا رنگ
 گشتِ گلی میں عالمِ ہستی سے پاس ہے
 لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر
 کچھ بیاں سرورِ تپِ غم کہاں تہا
 ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانہ وفا
 پی جس قدر شبِ مہتاب میں شراب
 ہر اک مکان کو ہے یکسے شربتِ اسد
 گر خاشی سے فائدہ انصافِ حال ہے
 کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ ۹۰

تو نے پھر کیوں کی تھی میری نگہاری لے لے
 دشمنی اپنی تھی میری دوستداری لے لے
 عمر کو بھی تو نہیں ہے پائنداری لے لے
 یعنی تجھ سے تھی اُسے ناسازگاری لے لے
 خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری لے لے
 ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری لے لے
 اٹھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری لے لے
 دل پہ اک لگنے نہ پایا زخمِ کاری لے لے
 ہے نظرِ خورِ دہشتِ شمارِ لے لے
 ایک ل تس پر یہ نا امید داری لے لے
 رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری لے لے
 تسکیں کو دے نویدِ کمرنے کی آس ہے
 اب تک وہ جانتا ہے کیسے ہی پاس ہے
 ہر ٹوٹے بدن پہ زبانِ سپاس ہے
 ہر چند اُس کے پاس لہجہ شناس ہے
 اس لہجی مزاج کو گرمی ہی راس ہے
 مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگلِ اداس ہے
 خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے
 دلِ فردِ جمع و منہجِ زباں لے لال ہے

کس پردے میں ہے آئینہ پرواز لے خدا
 ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی
 مشکلیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جان
 وحشت پہ میری عرصہ آفاق تنگ تھا
 ہستی کے مت فریب میں آجائو اسد
 تم اپنے ٹکڑے کی باتیں نہ کھو دکھو کے پوچھو
 دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر
 ایک جا حرف وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا
 جی جلے ذوق فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں
 آگ سے پانی میں بجھتے وقت اُٹھتی ہے صدا
 ہے وہی بدستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ
 مجھ سے مت کہ تو ہمیں کستا تھا اپنی زندگی
 آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا
 پینس میں گزرتے میں جو کوپے سے وہ میسے
 مری ہستی فضیلت حیرت آباد تھا ہے
 خزاں کیا فصل گل کتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو
 وفائے دلبراں ہے اتفاق در نہ لے ہم
 نالائے شوخی اندیشہ تاب سچ نویسی
 رحم کر ظالم کہ کیا بوجہ سراغ کشیدے
 رحمت کہ عذر خواہ لب بے سوال ہے
 اے شوقِ منفصل یہ تجھے کیا خیال ہے
 نابت زمین ہے نہ کہ نابتِ غزال ہے
 دریا زمین کو عسرتی فصال ہے
 عالم تمام حلقہ دایم خیال ہے
 عذر کرو مجھے دل سے کہ اس میں آگ دہی ہے
 نہ گریہ حسری ہے نہ آؤ نیم شبی ہے
 ظاہر کا غدر ترے خط کا غلط بردار ہے
 ہم نہیں جلتے نفس ہر چہ آتش بار ہے
 ہر کوئی در ماندگی میں نال سے ناچار ہے
 جس کے جلوے سے زمین آسمان شرار ہے
 زندگی سے بھی مرامی ان نون بیزار ہے
 تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرت دیدار ہے
 کندھا بھی کماروں کو ہارنے نہیں دیتے
 جسے کہتے ہیں نال وہ اسی عالم کا عتاب ہے
 وہی ہم میں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے
 اثر فریاد و لہا ہے حویں کا کس نے دیکھا ہے
 کہتے افسوس ملنا عہدِ تجدد یہ تھا ہے
 نبضِ بیار و فادو چہ سراغ کشیدے



یہ کتاب اسکی ہے دلعلم کا ہے مائیں اسکی ہیں
تیری رائیں ہیں کے بازو پر پریشاں ہو گئیں



دل لگی کی آرزو پچھین کھتی ہے ہمیں
 چشمِ خواہاں غاشی میں بھی نوا پرداز ہے
 پشیم کر عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے
 دستِ گاہِ دیدہ خونبارِ مجنوں دیکھنا
 عشق مجھ کو نہیں مہشت ہی سہی
 قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
 میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی
 ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
 اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
 عمر ہر چند کہ ہے برقِ خرام
 ہم کوئی ترک و فاکرتے ہیں
 کچھ تو دے اے فلکِ انصاف
 ہم بھی تسلیم کی خود ایں گے
 یار سے چھڑ چلی جائے اسد
 ہے آرمیدگی میں نکو ہش بجا مجھے
 ڈھونڈے ہے اُس منہی آتشِ نفس کو جی
 مستانِ طے کردں ہوں روِ دادی خیال
 کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے جابیاں
 کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ ۱۱
 دریاں بے رونقی سو دھپس کر کھسکی
 سُرمد تو کنوے کے دو دھندلے آواز ہے
 نالہ گویا گردشِ ستیاری کی آواز ہے
 یک بیاباں جسلوہ گلِ فرش پا انداز ہے
 میری دشت تیری شہرت ہی سہی
 کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
 اے وہ مجلس نہیں غلوت ہی سہی
 غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی
 آگئی گر نہسیں غفلت ہی سہی
 دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی
 نہ سہی عشقِ مصیبت ہی سہی
 آہ و فزاد کی رخصت ہی سہی
 بے نیازی تری عادت ہی سہی
 گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی
 صبحِ وطن ہے خندہ دندانِ نا مجھے
 جس کی صدا ہو جسلوہ برقِ فنا مجھے
 تارِ بازگشت سے نہ رہے مدام مجھے
 آنے لگی ہے بکھمتِ گل سے حیا مجھے
 شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

زندگی اپنی جہاں شکل سے گزری غالب
اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیئے
دل ہی تو ہے سیاستِ درباں سے ڈر گیا
رکھتا پھر دن میں خرقہ و سجادہ رہن سے
بے صرف ہی گزرتی ہے ہو گرچہ عمر خضر
مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اُنم
کس روز تمہیں نہ ترا شاکیے عدو
صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو
ضد کی ہے اور بات مگر خو بُری نہیں
غالب تھیں کہو کہ ملے گا جواب کیا
زقارِ عمر قطعِ ردِ اضطراب ہے
میناے مے ہے سر و نشاط بہار سے
زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا
جاواد بادہ نوشی زنداں ہے ششِ حمت
نظارہ کیا حریف ہو اُس برقِ حسن کا
میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں
گزارا ہدِ مسرتِ مینا مِ یار سے
دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر رشک آجائے ہے
باتھ و حودل سے یہی گری گرانڈیشے میں ہے

ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے
میٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیئے
میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کیئے
مُدت ہوئی ہے دعوتِ آبِ ہوا کیئے
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیئے
تو نے وہ گنج ہائے گرانہا یہ کیا کیئے
کس دن ہمارے سر پہ نہ آئے چلا کیئے
دیئے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیئے
بھولے سے اُس نے کیکر دل دے وفا کیئے
مانا کہ تم کہا کیئے اور وہ سنا کیئے
اس سال کے حساب کو برقِ آفتاب ہے
بالِ تدرودِ جلوہ موجِ شراب ہے
تے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے
غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے
جوشِ بہار جلوے کو جس کے نقاب ہے
مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے
قاصدِ چھب کو رشکِ سوال و جواب ہے
میں اُسے دیکھوں بھلا کہ مجھ سے دیکھا جائے ہے
آبگینہ تندی صبا سے پگھلا جائے ہے

غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے
 شوق کو یہ لت کہہ دم نال کھینچے جائے
 دُور چشم بہ تری بزم طرب کے داد واد
 گرچہ ہے طرز تغافل پر وہ دایرِ عاشق
 اُس کی بزم آرائیاں سن کر دلِ رنجوریاں
 ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
 نقش کو اُس کے منور پر بھی کیا کیا ناز میں
 سایہ میرا مجھ سے مثل دُور بھلگے ہے
 گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے
 نیسہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم
 کثرتِ آرائی و حدت ہے پرستاری ہم
 ہوس گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا
 کارِ گاہِ ہستی میں لالہ داغِ سماں ہے
 غنچہ تا شگفتن با برگِ عافیت معلوم
 ہم سے رنجِ یتابی کس طرح اٹھایا جائے
 اگ رہا ہے در و دیوار سے سبز و غالب
 سادگی پر اُس کی مر جانے کی حسرتِ دل میں ہے
 دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
 گرچہ ہے کس کس بُرائی سے دلے با این ۱۰۲

گر حیا بھی اُس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے
 دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے
 نغمہ ہو جاتا ہے وہاں گر نال میرا جائے ہے
 پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے
 مثلِ نقشِ مدعا ہے غیسر مینا جائے ہے
 رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے
 کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھینچتا جائے ہے
 پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے
 تب لمانِ حج میں ہی بردِ لیالی نے مجھے
 لے لیا مجھ سے مری بہتِ عالی نے مجھے
 کر دیا کافرانِ اصنام خیالی نے مجھے
 عجب آرام دیا ہے پرو بالی نے مجھے
 بزمِ خیرینِ راحتِ خونِ گرمِ دہقاں ہے
 باوجودِ کھمبی خوابِ گل پریشاں ہے
 داغِ پشتِ دستِ عمرِ شعلہ نشیناں ہے
 ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہاراں ہے
 بس نہیں چلتا کہ پھر خیرِ کفِ قافل میں ہے
 میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
 ذکرِ میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے

بس جو ہم نامیہ سی خاک میں مل جائیگی
 رنج رو کیوں کھینچنے دامانہ کی کو عشق ہے
 جلوہ زار آتش دوزخ ہمارا دل سی
 ہے دل شوریدہ غالب ظلمت چق قباب
 دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
 شق ہو گیا ہے سینہ خوشالذت فراغ
 وہ باد شہباز کی سرستیاں کہاں
 اڑتی پھرے ہے خاک مری کو سے یاریں
 دیکھو تو دھنسر ہی انداز نقشب
 ہر بولہوس نے حسن پرستی شہسار کی
 نفاے نے بھی کام کیا دان نقاب کا
 خردا دی کا تفسر کیجا رٹ گیا
 مارا زمانہ نے اسد لعل خاں نصیں
 تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوق نظر ملے
 اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دین بے قفل
 ساقی گری کی شہرم کرو آج در نہ ہم
 تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے نیم
 تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مہنوں نے کیا کیا
 لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں

یہ جو اک لذت ہماری سہمی بے حاصل میں ہے
 اٹھ نہیں سکتا ہمارا جوت دم منزل میں ہے
 فتنہ شور قیامت کس کی آب و گل میں ہے
 رزم کراچی متناظر کہ کس شکل میں ہے
 دونوں کو اک ادا میں رضامنہ کر گئی
 تکلیف پر وہ داری ہنسہم جگر گئی
 اٹھی بس اب کہ لذت خواب سحر گئی
 بلے اب لے ہوا بوس بال و پر گئی
 ہنر منہ ہم یار بھی کیا گل کٹر گئی
 اب ابرو سے شیوہ اہل نظر گئی
 مستی سے ہر گدے رخ پر بکھر گئی
 کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی
 وہ دلو لے کہاں وہ جوانی کہ سحر گئی
 حوران غلہ میں تری صورت گرے
 میسے پتہ سے خلق کو کیوں تیرا گھرے
 ہر شب پیاہی کرتے ہیں بے جوق رے
 میرا سلام کہو اگر ناس برے
 فرصت کشاکش غم پناہ سے گرے
 مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفرے

بہت دُور میں قافلے نے تیرے پیدا کی
دو اُپ بھگادو جو بظاہر نکاد سے کم ہے





اے سکنانِ کوچہ دلدار کھنا
 کوئی دن گر زندگانی اور ہے
 آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کھساں
 بار بار دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں
 مے کے خطبہ دیکھتا ہے نار بر
 قاطعِ اعسار ہیں اکشر نجوم
 بوچکیں غالب بلائیں سب تمام
 کوئی اُمیدِ برنہیں آتی
 موت کا ایک دن معین ہے
 آگے آتی تھی حالِ دل پہ مہنسی
 جانتا ہوں ثوابِ طاعتِ زہد
 ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
 کیوں نہ چنوں کہ یاد کرتے ہیں
 داغِ دل گر نظر نہ آتا
 ہم دہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
 مہرے ہیں آرزو میں مرنے کی
 کدکس نہ سے جاؤ گے غالب
 دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
 ہم ہیں شتاق اور وہ بیزار ۱۱۹
 یا الہی یہ ماجرا کیا ہے

تم کو کیس جو غالب آشفۃ سر ملے
 اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
 سوزِ غم ماٹے ہنسائی اور ہے
 پر کچھ اب کے سہرا گرائی اور ہے
 کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے
 وہ بلائے آسمانی اور ہے
 ایک مرگِ ناگہانی اور ہے
 کوئی صورتِ نظر نہیں آتی
 نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
 اب کسی بات پر نہیں آتی
 طبیعتِ اوسر نہیں آتی
 در نہ کیا بات کر نہیں آتی
 میسری آواز گر نہیں آتی
 بُو بھی اے چارہ گر نہیں آتی
 کچھ ہماری خبر نہیں آتی
 موت آتی ہے پر نہیں آتی
 شرمِ مست کو مگر نہیں آتی
 آخر اس درد کی دوا کیا ہے

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
 جبکہ تجھ پر نہیں کوئی موجود
 یہ پری چسپورہ لوگ کیسے ہیں
 شکن زلف عنبریں کیوں ہے
 بنزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
 ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
 ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا
 جان تم پر نثار کرتا ہوں
 میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
 کہتے تو ہو تم سب کہ بت غالیہ مو آئے
 ہوں کشکش نزع میں ہاں جذب محبت
 ہے ساعدہ و شعلہ و سیلاب کا عالم
 ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
 جلا دے ڈرتے ہیں نہ داعط سے جھگڑتے
 ہاں اہل طلب کون سے طعنہ نہ یافت
 اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
 کی ہم نفسوں نے اثر گریہ میں تقصیر
 اُس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالب
 پھر کچھ اک دل کو بقراری ہے ۱۱۰
 کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے
 پھر یہ ہنگامہ اسے خدا کیا ہے
 عنبر و عنشہ و ادا کیا ہے
 نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے
 ابر کیا چسپور ہے ہوا کیا ہے
 جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
 اور درویش کی صدا کیا ہے
 میں نہیں جانتا دعا کیا ہے
 مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے
 یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ دو آئے
 کچھ کہ نہ سکوں پردہ مرے پوچھنے کو آئے
 آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں گو آئے
 ہاں منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی ہو آئے
 ہم سمجھ ہوئے ہیں اُسے جن بھیس میں جو آئے
 دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے
 اُس درپہ نہیں بار تو کہے ہی کو ہو آئے
 اچھے رہے آپاں سے مگر مجھ کو ڈبو آئے
 ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے
 سینہ جو یائے زخم کاری ہے

پھر جگر کھودنے لگا ناخن
 قبلہ مقصد ہنگامہ نیاز
 چشم دلال جنس رسوائی
 وہی صدر رنگ نالہ فرسائی
 دل ہوا بے خرام ناز سے پھر
 جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے
 پھر اسی بے وفا پر مرتے ہیں
 پھر کھلا ہے درِ عدالت ناز
 ہو رہا ہے جہان میں اندھیر
 پھر دیا پارہ جگر نے سوال
 پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب
 دل و مرگاہ کا جو مقدمہ تھا
 نہ خودی بے سبب نہیں غالب
 جنوں تہمت کش تسکیں نہ ہو گشت ادمانی کی
 کشاکش بے ہستی سے کرے کیا سعی آزادی
 پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہِ طفلان ہے
 نکو ہش ہے سزا فریادی بیداد و لبر کی
 رگِ بیلنی کو خاکِ دشتِ جنوں ریشگی بخشے
 پر پروانہ شاید بادبانِ کشتی سے تھا ۱۱۱
 آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے
 پھر وہی پردہ عساری ہے
 دل شیریدار ذوق خواری ہے
 وہی صد گونہ اشکباری ہے
 محشرستان بیقراری ہے
 روزِ بازار جاں سپاری ہے
 پھر وہی زندگی عساری ہے
 گرم بازار فوجداری ہے
 زلف کی پھر سرشتداری ہے
 ایک مندر آواز و زاری ہے
 اشکباری کا حکم جاری ہے
 آج پھر اُس کی ردِ بکاری ہے
 کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے
 نمک پاشِ خراشِ دل ہے لذتِ زندگانی کی
 ہوئی زنجیر موجِ آب کو فرصتِ روانی کی
 شرارِ رنگ نے تربتِ پمیری گلِ فشان کی
 مبادا خندہ دندانِ ناہو سبجِ محشر کی
 اگر بودے بجائے دانہ دہقانِ نوکِ شتر کی
 ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی

کروں بیدار و ذوقِ پریشانی عرض کیا قدرت
 کہاں تک روؤں سکے خیامی کے پیچھے قیامت سے
 بے اعتدالیوں سے جبک میں ہم مجھے
 پہناں تھا دام سخت قریبِ شیان کے
 ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
 سختی کشان عشق کی پوچھے ہے کیا خبر
 تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں
 لکھے رہے جنوں کی حکایاتِ خون چکان
 اللہ ری تیری شندی خو جسکے ہم سے
 اہل ہوس کی فتح ہے ترکِ نیر و عشق
 نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے
 چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی میں دل لگی
 جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی
 مجھے اُس سے کیا توقع بزمِ جوانی
 یونہیں دکھ کسی کو دینا نہیں خوب ورنہ کتنا
 غفلت کہے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
 نے مرودہ وصال نہ نظارہ جمال
 نے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب
 گوہر کو عیشِ گردنِ خواں میں دیکھنا ۱۱۲

کہ طاقتِ از گنی اڑنے سے پہلے میرے شہر کی
 مری قسمت میں ناب کیا نہ تھی دیوارِ پتھر کی
 جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے
 اڑنے نہ پائے تھے کہ گز قنار ہم ہوئے
 یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے
 وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے
 تیرے ہوا بھی ہم یہ بہت سے ستم ہوئے
 ہر چند اس میں ماتہ ہمارے قلم ہوئے
 اجڑے نالہ دل میں مے رزق ہم ہوئے
 جو پاؤں اٹھ گئے وہی اُن کے علم ہوئے
 جو داغِ کھنچ سکے سو دیاں آگے دم ہوئے
 سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے
 تو فسر دگی سناس ہے بہ کین بے زبانی
 کبھی کو دکی میں جس نے نہ سنی مری کہانی
 کہ مرے حد کو یارب نے میری زندگانی
 اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خاموش ہے
 مدت ہوئی کہ آشتی چشمِ دگوش ہے
 لے شوق یاں اجازتِ تسلیم ہوش ہے
 کیا ادج پرستارہ گوہر فردش ہے

دیدار بادہ خوشہ ساقی بگا دست
 لے تازہ وار دین بساط ہوا بے دل
 دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو
 ساقی جب لوہ دشمن ایمان آگئی
 یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط
 لطف خرام ساقی و ذوق صدائے چنگ
 یا صبح دم جو دیکھیے آکر تو بزم میں
 داغ مسراتی صحبت شب کی جلی ہوئی
 آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
 نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سی
 غارِ خارِ الم حسرت دیدار تو ہے
 مے پرستانِ غم سے لگانے ہی بنے
 نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا
 ایک ہنگامے پہ پتو قوت ہے گھر کی دقت
 نہ ستائش کی تنانہ صلے کی پروا
 عشرتِ صحبتِ خواہاں ہی غنیمت سمجھو
 عجب نشاط سے جلاذ کے چلے ہیں ہم آگے
 قضائے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت
 غم زمانہ نے جھاری نشاۃ عشق کی مستی

بزم خیال میں سکھ بے خروش ہے
 نہ نار اگر تمہیں ہوس نامے و نوش ہے
 میری سنو جو گوش نصیحتِ نیوش ہے
 مطربِ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے
 دامانِ باغبان و کعبہ محلِ فردش ہے
 یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے
 نے وہ سرور و سور نہ جوشِ خروش ہے
 اک شمعِ رو گئی ہے سو وہ بھی خوش ہے
 غالب صریحاً نہ نوا سے سرور ہے
 امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سی
 شوقِ گلچینِ گلستانِ تسلی نہ سی
 ایک دن گزرتا ہوا بزم میں ساقی نہ سی
 گر نہیں شمعِ سیاہ خانہِ یللی نہ سی
 نوٹِ غم ہی سی نغمہ شادی نہ سی
 گر نہیں ہیں مے اشعار میں معنی نہ سی
 نہ ہوئی غالب اگر عمرِ طبعی نہ سی
 کہ اپنے سانے سے سراپاؤں سے بے وقدم آگے
 فقط خراب کھا بس چل کا تم آگے
 و گرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے

خدا کے واسطے داد اس خون شوق کی دینا
 یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھانی ہیں ہم نے
 دل و جگر میں پر افشاں جو ایک موجوں ہے
 قسم جنازے پہ آنے کی جیسے کھاتے ہیں غالب
 شکوے کے نام سے بے مہر فغا ہوتا ہے
 پڑھوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا
 گو سمجھتا نہیں پر حسن تلافی دیکھو
 عشق کی راہ میں ہے چرخ کوکب کی پچال
 کیوں نہ ٹھہریں ہر تباہ کوکب بیدار کہ ہم
 خوب تھا پتلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ
 نال جاتا تھا پارے عرش سے میرا اور اب
 غار سے سیراکہ دد ہے بار بزم سخن
 اے شہنشاہ کوکب سپہ و مہر علم
 سات اقلیم کا حاصل چرخ ہم کیجے
 ہر مینے میں جو یہ بذر سے ہوتا ہے ہلال
 میں جو گستاخ ہوں آئین غزل خوانی میں
 رکھو غالب مجھے اس تلخ نوا میں معاف
 ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
 نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا ۱۱۴

کہ اُس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ ہر سے ہم آگے
 تھا سے آئینوں لے طرہ ما سے غم بہ غم لگے
 ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم لگے
 ہیوش کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے
 یہ بھی مت کہہ کہ جو کیسے تو گھلا ہوتا ہے
 اک ذرا چھڑنے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے
 شکوہ جو رے سرگرم جفا ہوتا ہے
 سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے
 آپ اٹھلاتے ہیں گر تیر فغا ہوتا ہے
 کہ بھلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے
 لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے
 شاد کی مع میں یوں نصیرا ہوتا ہے
 تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے
 تو وہ شکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے
 آساں پر ترے مہ ناصیہ ہوتا ہے
 یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق مسرا ہوتا ہے
 آج کچھ در درے دل میں سوا ہوتا ہے
 تمہیں کہو کہ یہ انداز گفت گو کیا ہے
 کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تشہد گو کیا ہے

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
 چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیرا ہن
 جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
 رگوں میں وہڑتے پھرنے کے ہم نہیں قابل
 وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز
 ہیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
 رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی
 ہوا ہے شہ کا مصاحب پھر ہے ہار تاتا
 میں انھیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں
 قسم ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
 میری قسمت میں غم گرا تھا
 آہی جاتا وہ راہ پر غالب
 آکر مری جان کو متسار نہیں ہے
 دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے
 گر یہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو
 ہم سے عبث ہے گمان رنجش خاطر
 دل سے اٹھا لطف جلوہ ہائے معانی
 قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے
 تو نے قسم کے شے کی کھائی ہے غالب ۱۱۵
 تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے
 دیگر نہ خوف بد آموزی عدو کیا ہے
 ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے
 کر دیتے ہو جو آب راگہ جستجو کیا ہے
 جب آنکھ ہی سے نہ پٹکا تو پھر لو کیا ہے
 سوائے بادہ گفام شکو کیا ہے
 پیشہ وقوع و کوزہ و سبو کیا ہے
 تو کس لیسہ پہ کیسے کراؤ کیا ہے
 دیگر نہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے
 چل نکلتے جو مے پیئے ہوتے
 کاشکے تم مے لینے ہوتے
 دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے
 کوئی دن اور بھی جیئے ہوتے
 طاقت بیداد انتظار نہیں ہے
 نشہ ہ اندازہ متسار نہیں ہے
 ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے
 خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے
 غیر گل آئینہ ہمار نہیں ہے
 دانے اگر عہد استوار نہیں ہے
 تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

بجوم غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے
 رفوئے زخم سے طلب ہے لذت زخم سوزن کی
 دو گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
 پایہ دامن ہو رہا ہوں بسکینیں مسرور
 دیکھنا حالت مے دل کی ہم آغوشی کے وقت
 ہوں سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ چھ
 جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے
 سائے کی طرح ساتھ پھر میں سسر و صنوبر
 تب ناز گراں مانگی اشک بجای ہے
 مے بھکو شکایت کی اجازت کہ شکر
 اُس چشم فسون گر کا اگر پائے اشارہ
 کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس پیار
 مرجاؤں نہ کیوں شک سے جب وہ تن نازک
 غار بیکر ناموسش ہو گر ہو سب زور
 تب چاک گریباں کا مرہ ہے دل نالوں
 آتشکدہ ہے سینہ مرار از نہاں سے
 گنجینہ معنی کا طلسم اُس کو سمجھے
 حُسن مگر چہ بہنگام کمال اچھا ہے
 بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ

کہ تار دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے
 بھید موت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے
 چمکنا غنچہ دل کا صدائے خندہ دل ہے
 غارِ پایاں جو ہر آئینہ زانوئے مجھے
 ہے نگاہ آشنا تیرا سر ہر سونے
 ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں چھپے تو نے مجھے
 جاں کا لہجہ صورت دیوار میں آوے
 تو اس قدر دلکش سے جو گلزار میں آوے
 جب لخت جگر دیدہ خونبار میں آوے
 کچھ تجھ کو مرہ بھی مرے آزار میں آوے
 طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے
 اک ابلہ پاوا دی پرستار میں آوے
 آغوش غم حلقہ زنجار میں آوے
 کیوں شاہ گل بلغ سے بازار میں آوے
 جب اک نفس ابھرا ہوا ہزار میں آوے
 لے وائے اگر معرضِ طلبسار میں آوے
 جو لفظ کہ غالب مے اشعار میں آوے
 اُس سے میرا سرِ خورشید جمال اچھا ہے
 جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے



میں نے مجنوں پہ لکچیں میرا سر
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یہ دیا



اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
 بے طلب دیں تو مزہ اُس میں سوا ملتا ہے
 اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
 دیکھنے پاتے ہیں عشاق تہوں سے کیا فیض
 ہم سخن تیشے نے فریاد کو شیریں سے کیا
 قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
 خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز
 ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
 غیر لیں مفضل میں بوسے جام کے
 خشکی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ
 خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
 رات پی زمرم پڑے اور صدم
 دل کو آنکھوں نے پھنسا یا کیا مگر
 شاہ کے ہے غسل صحت کی خبر
 عشق نے غالب نکمنا کر دیا
 پھر اس انداز سے بہار آئی
 دیکھو اسے ساکنانِ خطہ خاک
 کہ زمیں ہو گئی ہے ستر ماہ
 سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی

ساغر جسم سے مرا جام سفال اچھا ہے
 وہ گدا جس کو نہ ہو خوشے سوال اچھا ہے
 وہ سمجھتے ہیں کہ میسار کا حال اچھا ہے
 اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
 جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے
 کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مال اچھا ہے
 شاہ کے باغ میں یہ تازہ بہار اچھا ہے
 دل کے خوش رکھنے کو غالب خیال اچھا ہے
 ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے
 ہتھکنڈے ہیں سپرخی غلی غلام کے
 ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
 دھوئے دجستہ جامہ اسرام کے
 یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے
 دیکھئے کب دن چھریں حمام کے
 ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے
 کہ ہوئے مہر و تماشا شانی
 اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
 روکشِ سطحِ سپرخی میسنائی
 بن گیا رُوئے آب پر کائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے
 ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
 کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
 تغافل دوست ہوں میرا دماغ مجز عالی ہے
 رہا آباد عالم اہل بہت کے نہ ہونے سے
 کب وہ سنتا ہے کہانی میری
 غلش غمزدہ خونِ نرینہ پوچھ
 کیا بیاں کر کے مرار دینگے یار
 ہوں زخود رفتہ بیدائے خیال
 متقابل ہے محنت اہل میرا
 قدر سنگ سبر رہ رکھتا ہوں
 گردِ بادِ رہ بے تابلی ہوں
 دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا
 کر دیا ضعف نے عاجز غالب
 نقشِ نازِ بیت طناز بہ آغوشِ قیب
 تُو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے
 وہ تپ عشقِ تنہا ہے کہ پھر صورتِ شمع
 گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے
 واں کنگر استغنا ہر دم ہے بلندی پر

چشمِ زکس کو دی ہے بینائی
 بادہ نوشی ہے بادِ پیمائی
 شاہِ دیندار نے شفا پائی
 اگر پہلوتی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے
 بھرے ہیں جس قدر جام و سہو میخانہ خالی ہے
 اور پھر وہ بھی زبانی میری
 دیکھ خونستہ بفتہ شانی میری
 مگر آشفۃ بیانی میری
 بھول جانا ہے نشانی میری
 رک گیا دیکھ روانی میری
 سخت اذراں ہے گرانی میری
 صرصر شوق ہے بانی میری
 کھل گئی پیچیدانی میری
 ننگِ پیری ہے جوانی میری
 پائے طاؤس پے خامہ مانی مانگے
 غم وہ افسانہ کہ آشفۃ بیانی مانگے
 شعلہ تانہض جگر ریشہ دوانی مانگے
 ہر غنچے کا گل ہونا آغوشِ کشانی ہے
 یاں نالے کو اور الٹا دعوائے رسانی ہے

از بسکہ مکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے
 جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی
 اچھا ہے سرانگشتِ خنائی کا تصور
 کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے وصلگی سے
 دشمن نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو
 صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب
 سیما بپشتِ گرمی آئینہ دے ہے ہم
 آغوشِ گل کشودہ برائے وداع ہے
 بے وصل ہجر عالمِ مستکینِ ضبط میں
 اُس لب سے مل ہی جائیگا ہو کبھی تو مل
 چاہیئے اچھوں کو جتنا چاہیئے
 صحبتِ رنماں سے واجب ہے حذر
 چاہئے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل
 چاک مت کر جب بے ایامِ گل
 دوستی کا پردہ ہے بیگانگی
 دشمنی نے میری کھویا غیر کو
 اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سہمی
 منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
 غافلِ ابنِ مرطعتوں کے واسطے ۱۲

جو داغِ نظر آیا اک چشمِ نائی ہے
 لکھ دیجو یا رب اُسے قسمت میں عذو کی
 دل میں نظر آتی تو ہے اک بوندِ لہو کی
 یاں تو کوئی سنتا نہیں منبرِ یادِ گو کی
 خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی
 حسرت میں رہے ایک بُتِ عسبرہ جو کی
 حیراں کیئے ہوئے ہیں دل بے قرار کے
 اے غدلیبِ چل کہ چلے دن بہار کے
 معشوقِ شوق و عاشقِ دیوانہ چاہیئے
 شوقِ فضول و جراتِ رندانہ چاہیئے
 یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیئے
 جائے مے اپنے کو کھینچا چاہیئے
 بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیئے
 کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیئے
 منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیئے
 کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیئے
 یار ہی ہنگامہ آرا چاہیئے
 ناامیدی اُس کی دیکھا چاہیئے
 چاہئے والا بھی اچھا چاہیئے

چاہتے ہیں خبر دیوں کو اسد
 ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے
 درس عنوان تماشا پہ تغافل خوشتر
 وشت آتش دل سے شب تنہائی میں
 غم عشاق نہ ہو سادگی آموز بتاں
 اثر آہد سے جادہ صحرائے جنوں
 بے خودی بستر تہید فراغت ہو جو
 شوق دیدار میں گر تو مجھے گردن ہائے
 بے کسی ہائے شب جگر کی دشت ہے
 گردش ساغر صمد جلوہ رنگیں تجھ سے
 نگہ گرم سے اک لک ٹپکتی ہے اسد
 نکتہ چیں ہے غم دل میں کو سنائے نہ بنے
 میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اسے جذبہ دل
 کھیل بھجائے کیس چھوڑ نہ دے بھول جانے
 غیر پھرتا ہے لینے یوں ترے خط کو کہ اگر
 اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
 کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
 موت کی راہ نہ دیکھوں کہ پن آنے نہ ہے
 بوجہ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھانے نہ اٹھے

آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے
 میری رفتار سے بھاگے ہے بیا باں مجھ سے
 ہے نگہ رشتہ شیرازہ مگر کماں مجھ سے
 صورت دور با سایہ گریزاں مجھ سے
 کس قدر خانہ آئینہ ہے ویراں مجھ سے
 صورت رشتہ گوہر ہے چراغاں مجھ سے
 پڑے سائے کی طرح میرا شبناں مجھ سے
 ہو نگہ مثل گل شمع پریشاں مجھ سے
 سایہ خورشید قیامت میں پنہاں مجھ سے
 آئینہ داری یک دیدہ حیراں مجھ سے
 ہے چراغاں خس خاشاک گلستاں مجھ سے
 کیا ہے بات جہاں بات بنائے نہ بنے
 اُس پہن جائے کچھ ایسی کہ پن آنے نہ بنے
 کاش یوں بھی ہو کہ پن میرے ستائے نہ بنے
 کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے
 ہاتھ آئیں تو انھیں ہاتھ لگائے نہ بنے
 پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے
 تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
 کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

rekhta

آتے ہیں قریب سے یہ مضامین خیال میں
غالب مہر پر نام نہوائے سروش ہے





عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
 چاک کی خواہش اگر دشتِ بے دریائی کرے
 جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ کچھ خیال
 ہے شکست سے بھی دل نوید یارب کب تک
 میکہ اگر چشمِ مست ناز سے پائے شکست
 خطِ عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عمد
 وہ آکے خواب میں تسکینِ اضطراب تو نے
 کرے ہے قتل لگاؤ میں تیرا رو دینا
 دکھا کے جنبش لب ہی تمام کر ہسکو
 پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
 اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
 پیش سے میری دقتِ کشمکش ہزار بستر ہے
 سرشکِ سرسبزِ دادہ نور العین دامن ہے
 خوشا اقبالِ رنجوری عیادت کو تم آنے ہو
 بطوافِ گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی
 ابھی آتی ہے بوبالش سے اسکی زلفِ مشکیں کی
 کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یار میں غالب
 خطر ہے رشتہ الفتِ رگ گردن نہ ہو جائے
 سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشو و نما غالب

کہ لگانے نہ لگے اور بچھانے نہ بنے
 صبح کے مانند ز منہم دل گریبائی کرے
 دیدہ دل کو زیارت گاہِ حیرانی کرے
 آئینہ کوہِ پر عسریں گراں جسانی کرے
 موے شیش دیدہ ساغر کی مرگانی کرے
 یک قلمِ منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے
 ولے مجھے پیشِ دل مجالِ خواب تو دے
 تری طرح کوئی تیغِ نگہ کو آب تو دے
 نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جاب تو دے
 پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے
 کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں اب تو دے
 مرا سرِ پنجِ بالیں ہے راتنِ بارِ بستر ہے
 دل بے دست و پا افتادہ بر خورِ دارِ بستر ہے
 فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے
 شمعِ آفتابِ صبحِ محشرِ تارِ بستر ہے
 ہماری دید کو خوابِ زلیخا عارِ بستر ہے
 کہ بے تابی سے ہر اک تارِ بسترِ خارِ بستر ہے
 غورِ دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے
 اگر گلِ سرود کے قامت پہ پیرائش ہو جائے

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے نالہ پابند نے نہیں ہے
 کیوں ہوتے ہیں باغبان تو بنے گر باغ گدائے نہیں ہے
 ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے پر شمع سی تو کوئی شے نہیں ہے
 ہاں کھائیو مست فریب ہستی ہر چند کہیں کہے نہیں ہے
 شادی سے گزر کہ غم نہ ہو دے اُردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے
 کیوں رد قح کرے ہے زاہد مے ہے یکس کی تے نہیں ہے
 ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب آخر تو کیا ہے لے نہیں ہے
 نہ پوچھ نسخہ مرہم جراحستِ دل کا کہ اس میں ریزہ الماس جزوِ عظم ہے
 بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے
 ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے مرتے ہیں ولے اُن کی تنہا نہیں کرتے
 درپردہ اُنہیں غیر سے ہے ربطِ نہانی ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردا نہیں کرتے
 یہ باعثِ نومیدیٰ اربابِ ہوس ہے غالب کو بُرا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے
 کرے ہے بادِ ترے لب سے کپ ٹمگِ فروغ خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گلچیں ہے
 کبھی تو اس دلِ شوریدہ کی بھی داد ملے کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے
 بجائے گردِ نئے نالہائے ببل زار کہ گوشِ گلِ نمِ شبنم سے پنبہ آگیاں ہے
 اسد ہے نزع میں چل بیوفا برائے خدا مقامِ ترکِ حجاب و دواعِ تمکیں ہے
 کیوں نہ ہو چشمِ بیاں محوِ تغافل کیوں ہو یعنی اس بیار کو نظارے سے پرہیز ہے
 مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی وائے ناکامی کہ اُس کا فر کا خیر تیز ہے
 عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد جو شش فصل بہاری اشتیاقِ انگیز ہے

دیا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کیئے
 یہ ضد کہ آج نہ آنے اور آنے نہ ہے
 رہے ہیں گروے کہ کوئے دوست کو اب
 رہے کرشمہ کیوں دے رکھا ہے ہم کو فریب
 سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں دو پر سرش حال
 شخصیں نہیں ہے سررشتہ وفا کا خیال
 انھیں حال پر زعم جنوں ہے کیوں لڑیئے
 مدد منراے کمال سخن ہے کیا کیجئے
 کہا ہے کس نے کہ غالب برا نہیں لیکن
 دیکھ کر در پردہ گرم دامن افشانی مجھے
 بن گیا تیغ نگاہ یار کا سنگ فساں
 کیوں نہ ہو بے اتفاقی اس کی خاطر جمع ہے
 میرے غم خانے کی قسمت جب قہر مہر لگی
 بہ گماں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کا شکے
 واسے اس بھی شور مچنے نہ دم لینے دیا
 وعدہ آنے کا وفا کیجئے یہ کیا انداز ہے
 ہاں نشاطِ آبِ فصل ہماری واہ واہ
 دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی
 یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے ۱۲۱
 سب کو زامہ ہوا ہے خند و زریں لب مجھے

ہے کشادہ خاطر و ابستہ در رہن سخن
 یارب اس اشتہ کی داد کس سے چاہیے
 طبع ہے مشتاق لذت ہائے مسرت کیا کروں
 دل لگا کر آپ بھی غالب بھی سے ہو گئے
 حضورِ شاد میں اہل سخن کی آزمائش ہے
 قد و گیسو میں قیس کوہ کن کی آزمائش ہے
 کریں گے کوہ کن کے حوصلے کا امتحان آخر
 فیہم مصر کو کیا پیر کنماں کی ہوا خواہی
 وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کیو پھر کر غافل تھے
 رہے دل ہی میں تیرا چاہا بگر کے پار بہتر
 نہیں کچھ سچہ و زنا کے چنڈے میں گہرائی
 پڑا رہے دل ابستہ بیتابی سے کیا حاصل
 رگ و پے میں جب ترے زہر غم تب دیکھیے کیا ہو
 وہ انیس گے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالب
 کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گرا جانے ہے مجھ سے
 خدا یا جذبہ دل کی مگر تائید الہی ہے
 وہ بدخوا اور میری داستانِ عشق طولانی
 اُحر و بدگمانی ہے ادھر یہ ناتوانی ہے
 سنہلے دے مجھے اے نا امید ہی کیا قیاس ہے

قفا طہر قفلِ احبہ غایہ کتب مجھے
 رشکِ آسائش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے
 آرزو سے ہے شکستِ آرزو مطلب مجھے
 عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے
 چمن میں خوش نوا یان چمن کی آزمائش ہے
 جہاں ہم ہیں وہاں اور دین کی آزمائش ہے
 ہنوز اس فتنے کے فیروے تن کی آزمائش ہے
 اُسے یوسف کی بوسے چمن کی آزمائش ہے
 شکیب و صبر اہلِ انجمن کی آزمائش ہے
 غرض شہتِ نادک فتن کی آزمائش ہے
 وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے
 مگر پھر تاب زلف پر شکن کی آزمائش ہے
 ابھی تو تمہنی کام و دہن کی آزمائش ہے
 نئے فتنوں میں اب چمن کن کی آزمائش ہے
 جنائیں کر کے اپنی یاد شرم جائے ہے مجھ سے
 کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھینچتا جائے ہے مجھ سے
 عبارت مختصر قاصد بھی گھر جائے ہے مجھ سے
 نہ پوچھا جائے ہے اس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے
 کہ دامنِ خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

تکلف برطرف نظر آگئی میں بھی سہی لیکن
 ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبرد عشق میں زخمی
 قیامت ہے کہ ہوئے مدعی کا ہم سفر غالب
 ز بسکہ مشق تماشا جنوں علامت ہے
 نہ جانوں کیوں کہ مٹے داغ طعن بدھدی
 بے بیج و تاب ہوس سلب عافیت توڑ
 وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد
 لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جادے مجھے
 کیا تعجب ہے کہ اُس کو دیکھ کر آجائے رحم
 نہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پر بہ انداز عتاب
 یاں تک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں
 باز پچھ اطفال ہے دنیا مرے آگے
 اک کھیل ہے اور نگہ سلیمان سے نزدیک
 جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور
 ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرائے ہوتے
 مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا تھے چھپے
 جگہ کہتے ہو خود میں خود آراہوں نہ کیوں ہوں
 پھر دیکھیے انداز گل نشانی گفتار
 نفرت کا گماں گزرے ہے میں شکست گزرا

وہ دیکھا جائے کب ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے
 نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے
 وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے
 کشاد و بست مرثہ سیلی ندامت ہے
 تجھے کہ آئینہ بھی ورطہ ملامت ہے
 نگاہ عجز سررشتہ سلامت ہے
 جنون ساختہ و فصل گل قیامت ہے
 میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی بست لادے مجھے
 واں تک کوئی کسی جیلے سے پہنچا دے مجھے
 کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے
 زلف گرہن جاؤں تو شانے میں اُٹھا دے مجھے
 ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
 اک بات ہے اعجازِ میحمارے آگے
 جز وہم نہیں ہستی اشیاء مرے آگے
 بگستا ہے جیس خاک پہ دریا مرے آگے
 تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے
 بیخا ہے بُت آئینہ سیما مرے آگے
 رکھ دے کوئی پیمانہ و صبا مرے آگے
 کیونکہ کونوں لونا نام نہ ان کا مرے آگے

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
عاشق ہیں پیسوق فریبی ہے مرا کام
خوش ہوتے ہیں پر مول میں مرنے جاتے
ہے جو وزن اک قلم خوں کاش ہی ہو
گواہ کو جنبش نہیں آنکھوں میں دم ہے
ہم پیشہ دم شرب ہم راز ہے میرا
کہوں جو حال تو کہتے ہوئے عا کیے
نہ کیو طعن سے پھر تم کہ ہم سنگر ہیں
وہی شترسی پرل میں جب اتر جاوے
نہیں ذریعہ راحت جراحہ پیکاں
جو مدعی بنے اُس کے نہ مدعی بنیے
کہیں حقیقت جاں کا ہی مرض لکھیے
کبھی شکایت رنج گراں نشیں کیجے
رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجے
نہیں نگار کو اُلفت نہ ہو نگار تو ہے
نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے
سفینہ جبکہ کنارے پہ آگیا غالب
رونے سے اور عشق میں مینا پاک ہو گئے
مرتب بہانے نے ہوئے آلاتِ مے کشی ۱۳۲
تھے یہی دو حساب سونوں پاک ہو گئے

کعبہ مرے پیچھے ہے کلیں مرے آگے
مجنوں کو بُرا کہتی ہے لیلے مرے آگے
آئی شب ہجراں کی مست مرے آگے
آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے
غالب کو بُرا کیوں کہو اچھا مرے آگے
تھیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کیے
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کیے
بھگاؤ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کیے
وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دکشا کیے
جو نامزائے اُس کو نہ ناسا کیے
کہیں مصیبت ناسازی دوا کیے
کہیں حکایت صبرِ گریز پا کیے
کئے زبان تو خنجر کو جسا کیے
روانی روش وستی ادا کیے
طراوت چمن و خوبی ہوا کیے
خدا سے کیا ستم و جورِ نا خدا کیے
دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے
تھے یہی دو حساب سونوں پاک ہو گئے

رسوائے دہرگو ہونے آوارگی سے تم
 کتا ہے کون نالہ بلبل کو بے اثر
 پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا
 کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گھ
 اس رنگ سے اٹھائی گل اس نے اسد کی نش
 نشہ با شاداب رنگ و ساز با ستِ طرب
 ہم نشیں مت کہہ کر ہم کرنے ہر ہم عیش دوست
 عرض ناز شوخی دندان برائے خندہ ہے
 ہے عدم میں غنچہ مجھ عبرت انجام گل
 کلفت افسردگی کو عیش بیتابی سرم
 سوزش باطن کے ہیں اجباب نگر و زیاں
 حسن بے پردا خریدار متاع جلوہ ہے
 تما کجا اے آگنی رنگ تماشا بافتن
 جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی
 عالم غبار و دشت مجنوں ہے سرسبز
 افسردگی نہیں طرب انشاء التفات
 رونے سے اے ندیم طامت نہ کر مجھے
 چاک جگر سے جب رہ پرسش نہواہوئی
 نخت جگر سے ہے رگ ہر خدائے گل ۱۳۵
 بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے
 پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے
 آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے
 کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے
 دشمن بھی جس کو دیکھ کے غناک ہو گئے
 شیشے سے سرو سبز جو بسا رنغمہ ہے
 واں تو میرے نامے کو بھی اعتبار نغمہ ہے
 دعوے جمیعت اجباب جائے خندہ ہے
 یک جہاں زانو تا ثل در قضاے خندہ ہے
 در نہ دندان در دل افشردن بنائے خندہ ہے
 دل محیط گریہ و لب آشنائے خندہ ہے
 آئینہ زانوئے فکر خستہ راع جلوہ ہے
 چشم و اگر دیدہ آغوش و دواع جلوہ ہے
 شکل کہ تجھ سے راہ سخن واکرے کوئی
 کب تک خیال طرہ لیلے کرے کوئی
 ہاں درد بن کے دل میں گرجا کرے کوئی
 آخر کبھی تو عقدہ دل واکرے کوئی
 کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی
 تا چند باغبانی صحرایا کرے کوئی

ناکامی نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز
 برنگِ دشت ہے صد بگوشگست
 سرِ بھونی نہ وہ صبرِ آزما سے عمر
 ہے دشتِ طبیعتِ ایجا دیاس خیز
 بیکاری جنوں کو ہے سرپٹنے کا شغل
 سن فروغِ شمعِ سخن دور ہے اسد
 ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
 شرع و آئین پر مدار سہی
 پال جیسے کڑی کمان کا تیر
 بات پرواں زبان کشتی ہے
 بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
 نہ سونگر بُرا کسے کوئی
 روک لو گر غلط چلے کوئی
 کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند
 کیا کیا خضر نے سکندر سے
 جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
 بہت سی فہم گیتی شراب کم کیا ہے
 تھاری طرزِ دروش جانتے ہیں ہم کیا ہے
 سخن میں غارِ غالب کی آتش افشانی ۱۰۹
 یقین ہے ہم کو بھی لیکن ابس میں کیا ہے

تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
 نقصان نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی
 فرصت کہاں کہ تیری متنا کرے کوئی
 یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی
 جب اٹھ ٹوٹ جائی تو پھر کیا کرے کوئی
 پہلے دل گھستہ پیدا کرے کوئی
 میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
 ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
 دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
 وہ کہیں اور سنا کرے کوئی
 کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
 نہ کو گر بُرا کرے کوئی
 بخش دو گر خطا کرے کوئی
 کس کی حاجت دوا کرے کوئی
 اب کسے رہنا کرے کوئی
 کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی
 غلام ساقی کو ترہوں بھگو غم کیا ہے
 رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے
 یقین ہے ہم کو بھی لیکن ابس میں کیا ہے



کشا کش ہائے ہستی سے کرے کیا سہی زادی
ہونی زنجیرِ موع آب کو فرصتِ روانی کی



باغ پاکر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے
 جو ہر تیغ و سریشہ دیگر مسلوب
 مدعا محو تماشائے شکست دل ہے
 نالہ سراپا یک عالم و عالم کعب خاک
 زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
 روزی ہوئی ہے کوکبہ شہر یار کی
 جب اس کے دیکھنے کے لیے تین بادشاہ
 ٹھکے نہیں ہیں سرگستاں کے ہم دے
 ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم بکھے
 ڈرے کیوں میرا قافل کیا رہیگا اس کی گردن پر
 ٹھکنا غلہ سے آدم کا سُننے آئے ہیں لیکن
 بحر کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا
 مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے
 ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی
 ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
 محبت میں نہیں ہے فرق بیٹنے اور مرنے کا
 کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں اخطا
 کوہ کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے
 بیضہ آسانگ بال و پر ہے کچھ تعس

سایہ شاخ گل افغی نظر آتا ہے مجھے
 ہوں میں وہ سبز و کزبز بگاتا ہے مجھے
 آئینہ خانے میں کوئی لینے جاتا ہے مجھے
 آسمان بیضہ قمری نظر آتا ہے مجھے
 دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے
 اترائے کیوں نہ خاک سر بر بزار کی
 لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی
 کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی
 بہت بکھے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم بکھے
 وہ خوں جو چشم تر سے فخر بھریں و مبہم بکھے
 بہت بے آبرو ہو کر ترے کوپے سے ہم بکھے
 اگر اس طرۃ پر پیچ دسم کا ہیچ و خم بکھے
 ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم بکھے
 پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جا ہم بکھے
 وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغ ستم بکھے
 اُسی کو دیکھ کر بیٹھے ہیں جس کا فر پہ دم بکھے
 پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم بکھے
 بے تکلف اسے شراب جنت کیا ہو جائیے
 از سر نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

مستی بذوق غفلت ساقی ہلاک ہے
 جز زخم تیغ ناز نہیں دل میں آرزو
 جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اس
 لب عیسیٰ کی ہمیش کرتی ہے گوارہ جنبانی
 آج سیلاب طوفان صدائے آب ہے
 بزمِ دشت کہ وہ ہے کس کی شہمست کا
 بٹوں میں بھی تماشائی نیزنگ تماشا
 سیاہی جیسے گر جائے دم تحریر کا فہر
 بجوم نالہ حیرت عاجز عرض یک افناں ہے
 تکلف برطنت ہے بانستاں تر لطف بدخویاں
 ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیت شادی
 دل و دیں نقد لاساقی سے گرسودا کیا چاہے
 غم آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو
 خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے
 فشارِ تنگی خلوت سے بنتی ہے شبنم
 نہ پوچھ سینہ عاشق سے آپ تیغِ نگاہ
 جس جانسیم شانہ کش زلف یار ہے
 کہ کل سراغ جلوہ ہے حیرت کو لے خدا
 ہے ذرہ ذرہ تنگی جا سے غبارِ شوق ۱۲۱
 موجِ شراب یک مژدہ خواب ناک ہے
 بیبِ خیال بھی ترے اقصیٰ چاک ہے
 صحرا ہماری آنکھ میں یک شہتِ خاک ہے
 قیامت کشتہ لعلِ بتاں کا خواب سب گیس ہے
 نقش پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادو سے
 شیشے میں جن پر پی پنہاں ہے موجِ بادو سے
 مطلب نہیں کچھ اس سے کہ طلب ہی برائے
 مری قسمت میں گویں تصویر ہے شہتِ جبراس کی
 خموشی ریشہ صد نیستاں سے خس بندہاں ہے
 نگاہ بے حجاب ناز تیغ تیز عریاں ہے
 کہ صبح عید مجھ کو بہ تر از چاکِ گریباں ہے
 کہ اس بازار میں ساغر متاع دستگداں ہے
 چراغِ روشن اپنا قلمِ مصرعہ کامر جاں ہے
 نگاہِ دل سے تری سر رسا نکلتی ہے
 صبا جو غنچہ کے پردے میں بانکلتی ہے
 کہ زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے
 ناز و دماغ آہو سے دشتِ تار ہے
 آئینہ فرس شش جہت انتظار ہے
 گردام یہ ہے دھت صحرا شکار ہے

سرخ پا کر خفتانی یہ ڈراتا ہے مجھے
سایہ شاخ گل انہی نظر آتا ہے مجھے





دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ
 چھڑکے ہے شبنم آئینہ برگ گل پر آب
 پیچ آپڑی ہے وعدہ دلدار کی مجھے
 بے پردہ سوئے وادی مجنوں گرزہ کر
 اے عنذلیب یک کف خس بہر آشیاں
 دل مت گنوا خبر نہ سہی سیرہی سہی
 غفلت کفیل عمر و دست ضامن نشاط
 آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
 حسرت نے لار کھاتری بزم خیال میں
 پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا
 سر پر ہجوم دروغ سر ہی سے ڈالے
 ہے چشمِ تریں حسرت دیدار سے نہاں
 درکار ہے شگفتن گھماے عیش کو
 غالب بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کے
 شبنم بہ گل دلا نہ خالی زاد ا ہے
 دل خوں شدہ کشمکش حسرت دیدار
 شعلے سے نہ ہوتی ہو جس شعلہ نے جو کی
 تماشال میں تیری ہے وہ شونی کہ بعدِ فوق
 قمری کف خاکستر و بیلِ قفسِ رنگ ۱۳۷
 نظارہ کا مفتِ دم پھر رو بکار ہے
 اے عنذلیبِ قت و دواعِ بہار ہے
 وہ آئے یا نہ آئے یہ یاں انتظار ہے
 ہر فنے کے نقاب میں دل بقرار ہے
 طوفانِ آمدِ افسوسِ بہار ہے
 اے بے دماغ آئینہ تماشال دار ہے
 اے مرگ ناگماں تجھے کیا انتظار ہے
 ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
 گلہ سنیہ نگاہِ سوید اکہیں جسے
 افسونِ تنہا رمت سا کہیں جسے
 وہ ایک مُشتِ خاک کہ صحر اکہیں جسے
 شوقِ فناں سیفِ دریا کہیں جسے
 صبحِ بہار چنبہُ بینا کہیں جسے
 ایسا بھی کوئی ہے کہ سب تھا کہیں جسے
 داغِ دل بے دردِ نظر گاہِ حیا ہے
 آئینہ بہست بُت بہستِ فنا ہے
 جی کس قدر افسردگیِ دل پہ چلا ہے
 آئینہ بہ اندازِ گلِ آغوشِ کشا ہے
 اے نالِ نشانِ جگر سوخت کیا ہے

نوئے تری افسردہ کیا دشت دل کو
 محبوبی و محو اسے گرفتاری الفت
 معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ
 بسے پر تو نہ بیشید بہاں تابِ ادھر بھی
 ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی بے داد
 بیگانگی خلق سے بے دل نہ ہو غالب
 منکوحہ تھی یہ شکلِ تجلی کو نور کی
 اک خوشنکاح کفن میں کردوں بناؤ ہیں
 واعظ نہ تم پیوند کسی کو پلاسکو
 زمانہ ہے مجھ سے حشر میں قاتل کر کیوں اٹھا
 اہ بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
 گواہ نہیں یہ داس کے نکالے ہوئے تو ہیں
 کیا فرض ہے کرب کو بے ایک سا جواب
 گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
 غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے لیں
 غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے
 کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
 نے تیر کماں میں ہے نہ صنیعا دکیں میں
 کیا زہ کو مانوں کہ نہ ہو گر چہ ریائی

ممشوق و بے وصلگی طرفِ بلا ہے
 دستِ ترنگ آہ و بیانِ وفا ہے
 تیغِ ستم آئینہ تصویرِ فنا ہے
 سائے کی طبع ہم پر محبتِ پڑا ہے
 یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے
 کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے
 قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی
 پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پر نور کی
 کیا بات ہے تھکاری شرابِ ظہور کی
 گویا بھی سببِ شنی نہیں آوازِ صویر کی
 اڑتی سی اک خبر ہے نہ بانیِ طہور کی
 کہنے سے ان توں کو بھی نسبت ہے دہر کی
 آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی
 کی جس سے بات اُس نے شکایتِ نذر کی
 حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی
 یہ رنج کو کم ہے مے گلفام بہت ہے
 ہے یوں کہ مجھے دُرو تہِ جام بہت ہے
 گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
 پاداشِ عمل کی طبعِ حسام بہت ہے

بہتر خط سے ترا کمال پرکشندہ
یہ نثر مزاجی حریف و ہم افق نہ ہوا





میں اہل خرد کس رہش خاص پہ نازاں
 زرم ہی پہ چھوڑ دیکھے کیا طوف حرم سے
 ہے قمر گراب بھی نہ بنے بات کو اُن کو
 غوں ہو کے جگر آنکھ سے چکا نہیں لے مرگ
 ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
 مدت ہوئی ہے یار کو مہاں کیے ہوئے
 کرتا ہوں جمع پھر سب گزشتہ نعت کو
 پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
 پھر گرم نالہاٹے شہر بار بے نفس
 پھر پشیم جرات دل کو چلا ہے عشق
 پھر بھر رہا ہوں خار مرگیاں بہ خون دل
 باہر گر ہوئے ہیں دل دیدہ پھر رقیب
 دل پھر طوائف کوئے ملامت کو چلے ہے
 پھر شوق کر رہا ہے خسریا کی طلب
 دوڑے ہے پھر ہر ایک گل لالہ پر خیال
 پھر چاہتا ہوں نام نہ دلدار کھولنا
 مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس
 چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
 اک نوبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ

پاسبانگی رسم و روہ عام بہت ہے
 آلودہ ہے جاہ اسرام بہت ہے
 انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے
 رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے
 شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے
 جوش قلع سے بزم چراغاں کیے ہوئے
 عرصہ ہوا ہے دعوت مرگیاں کیے ہوئے
 برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے
 مدت ہوئی ہے سیر چراغاں کیے ہوئے
 سامان مسہ ہزار نمکداں کیے ہوئے
 ساز چمن طہرازی داماں کیے ہوئے
 نظارہ و خیال کا ساماں کیے ہوئے
 پسندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے
 عرض شمع عقل و دل و جاں کیے ہوئے
 صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے
 جاں نذر و نفس و بی غول کیے ہوئے
 زلف سیاہ رخ پر پریشاں کیے ہوئے
 سرے سے تیز دشنہ مرگیاں کیے ہوئے
 چہرہ فروغ نے سے گلستاں کیے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ درپہ کسی کے پٹے رہیں
 جی دھونڈتا ہے پھر وہی فرسکے راتوں
 غالب ہیں نہ پھر کہ پھر جوش اشک سے
 نوید امن ہے بیدار دوست جاں کے لیے
 بلا سے گر مرثیہ یار تشنہ خوں ہے
 وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق لے خضر
 رہا بلا میں بھی میں مبتلا سے آفت رشک
 فلک نہ دور رکھ اُس سے مجھے کہ میں ہی نہیں
 شال یہ مری کو بخشش کی ہے کہ مرغ اسیر
 گہا بھگت کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے
 بقدر شوق نہیں غریب تنگنا سے غزل
 دیا ہے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے
 زباں پر بارِ مُند ایا یہ کس کا نام آیا
 نصیر دولت و دیں اور مبین بخت و ملک
 زمانہ عہد میں اُس کے ہے مجھ آرایش
 ورق تمام ہوا اور مذبح باقی ہے
 ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ مرا ۱۵۴
 سرزیر بارِ مست درباں کیے ہوئے
 بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے
 بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کیے ہوئے
 رہی نہ طرہ رستم کوئی آسماں کے لیے
 رکھوں کچھ لہنی بھی مرگکان خوفشاں کے لیے
 نہ تم کہ چور بنے عسیر جادواں کے لیے
 بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کے لیے
 دراز دوستی قاتل کے آستیاں کے لیے
 کرے نفس میں فراہم خنثا شیاں کے لیے
 اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے
 کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے
 بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے
 کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے
 بنا ہے چرخ بریں جس کے آستان کے لیے
 بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لیے
 سفینہ چاہیے اس گہر بیکراں کے لیے
 صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے



قصائد

ساز یک دزد نہیں فیضِ مہن سے بیکار
 سستی بادِ صبا سے ہے ہر مرضِ سبز
 سایہ لالا بیدارِ باغِ سویدانے ہمار
 ریزہ شیشے سے جو ہر تیغِ کسار
 تازہ ہے ریشہ مارِ پنج صفتِ برے شرار
 کہ اس آغوشِ مہن میں ممکن ہے دو عالم کا شمار
 راہِ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے بیدار
 سرِ نوشت دو جہاں ابرہہ یک سطرِ غبار
 قوتِ نامیہ میں کو بھی نہ چھوٹے بیکار
 دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤسِ شکار
 بھول جایک قبحِ بادہ بھلاقِ گلزار
 گم کرے گوشہٴ میخانہ میں گر تو دستار
 بسز مثل خطِ نو خیسر ہو خطِ پرکار
 طوطیِ سبزہ کسار نے پیدا منتار
 چشمِ جبریل ہوئی قالبِ خشتِ دیوار
 رشتہٴ فیضِ ازل سازِ ظنابِ مسمار
 وقتِ بہتِ حدِ عارفِ یک درجِ حصار
 دہرے ہر دہرے بالِ پری سے بیزار
 وہ شہنشاہ کہ جس کی پے تعمیرِ سرا
 فلکِ العرشِ جہومِ خیمِ دوشِ مزدور
 بسز نہ چمنِ یک خطِ پشتِ لبِ بام
 داس کی خاشاک سے حاصل ہو جے یک کھاک ۱۵۵

خاک صحرائے نجف جو بر سیر عرفا
 ذرہ اس گرد کا غور شید کو آئینہ ناز
 آفرینش کو ہے اس سے طلب سستی ناز
 فیض سے تیرے ہے لے شمع شبستان بہار
 شکل طافوس کرے آئینہ خانہ پرداز
 تیری اولاد کے غم سے ہے نئے گلوں
 ہم عبادت کو تر نقش قدم مہر ناز
 مع میں تیری نہاں زمر زینت نبی
 جو ہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر
 مردک سے ہو عز خانہ اقبال نگاہ
 دشمن آل نبی کو بہ طرب خانہ دہر
 دیدہ تادل ہمد آئینہ یک پر تو شوق
 دہر جز جلوہ یکستان عشق نہیں
 بیدل ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
 ہرزہ ہے نغمہ زیر و بم ہستی و عدم
 نقش معنی ہمہ خیالہ عرض صورت
 لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم
 مثل مضمون وفا باد بہت تسلیم
 عشق بیڑی شیرازہ اجزلے حواس ۱۵۶
 چشم نقش قدم آئینہ بخت بیدار
 گرد اس دشت کی امید کو احرام بہار
 عرض خیالہ ایجاو ہے ہر موج عیار
 دل پروانہ چراغاں پر بلبل گلزار
 ذوق میں جلوہ کے تیرے ہوئے دیدار
 سلک اختر میں بہ نو مشا گو ہر بار
 ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظہار
 جام سے تیرے عیاں بادہ جوش اسرار
 یک طرف نازش مہنگانہ و گرو غم خار
 خاک در کی تری جو چشم نہ ہو آئینہ دار
 عرض خیالہ میلاد ہو طلاق دیوار
 فیض معنی سے خط ساغر راقم سرشار
 ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود میں
 بیکسی ہائے تناکہ نہ دنیا ہے نہ دیں
 لغو ہے آئینہ فرق جنون و عکس
 سخن حق ہمہ پیمانہ ذوق تحمیس
 ذریک ساغر غفلت ہے چہ دیا و چڑیں
 صورت نقش قدم خاک بفرق تمکین
 وصل زنگار مرغ آئینہ حسن یقین

کو کین گرسنہ مزدور طرب گاہ رقیب
 کس نے دیکھا نفس اہل وفا آتش خیز
 سامع زمرہ اہل جہاں ہوں لیکن
 کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باندہ
 نقش لاجل لکھ اے خامہ ہڈیاں تحریر
 مظہر فیض خدا جان و دل خستہ رسل
 ہو وہ سرمایہ ایجاد جہاں گزم خرام
 جلوہ پرداز ہو نقش قدم اس کا جس جا
 نسبت نام سے اس کے ہے یہ رتبہ کہ ہے
 فیض خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا
 بزش تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا
 کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے
 جان پناہ دل و جان فیض سانا شاہ
 جسم اطہر کو ترے دو شش پیمبر منبر
 کس سے ممکن ہے تری مع بغیر از واجب
 آستان پر ہے ترے جو ہر آئینہ سنگ
 تیرے در کے لیے اسباب شمار آمادہ
 تیری رحمت کے لیے ہیں لاجاں کام و زباں
 کس سے ہو سکتی ہے تاجی مدوح خدا ۱۵۰
 کس سے ہو سکتی ہے آرائش فردہ بکریں
 کس نے پایا اثر نالا و لہما نے حویں
 نہ سر و برگ ستایش نہ دماغ نفیس
 یک قلم خارج آداب دستار و تکیں
 یا علی عرض کراے فطرت و سواس قرین
 قبلہ آل نبی کعبہ ایجاب یقین
 ہر کتب خاک ہے واں گردہ تصویر زمیں
 وہ کتب خاک ہے ناموس دو عالم کی امیں
 ابد پشت فلک خم شدہ ناز زمیں
 بوئے گل سے نفس باو بسا عطر آگین
 قطع ہو جائے نہ سر شستہ ایجاد کین
 رنگ عاشق کی طرح رونق بختانہ چیں
 وہی ختم رسل تو ہے بفتوا سے یقین
 نام نامی کو ترے نامیہ عرش نگین
 شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں
 رقم بندگی حضرت جبریل امیں
 خاکیں کو جو خدا نے دیے جان و دل و دیں
 تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبین
 کس سے ہو سکتی ہے آرائش فردہ بکریں

جس بازار معاصی اسد اللہ اسد
 شوقی عرض مطالب میں ہے گستاخ طلب
 دے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول
 غم شیرے ہو سینہ یہاں تک بربز
 طبع کو الفت دل میں یہ سرگرمی شوق
 دل الفت نب و سینہ تو سید رضا
 صرف اللہ اثر شمس دود دوزخ
 ہاں سرفروشنیں ہم اس کا نام
 دودن آیا ہے تو نظر دم مسج
 بارے دودن کہاں رہا غائب
 اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا
 مرہا اے سرور خاص خواص
 عذر میں تین دن نہ آنے کے
 اس کو بھولا نہ چاہیے کنا
 ایک میں کیا کہ ب نے جان لیا
 راز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے
 جانتا ہوں کہ آج دنیا میں
 میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش
 جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو
 کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
 ہے ترے حوصلہ فضل پر از بک یقیں
 کہ اجابت کے ہر حرف پہ سو بار آئیں
 کہ میں خون جگر سے مری آنکھیں رنگیں
 کہ ہاں تک چلے اس سے قدم اور مجھ سے ہیں
 نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزین
 وقت اجاب گل و سنبھل فردوس ہیں
 جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
 یہی انداز اور یہی اندام
 بندہ عاجز ہے گردش ایام
 آسمان نے پھار کھا تھا دام
 جنڈا اے نشاط عام عوا
 لے کے آیا ہے عید کا پیغام
 صبح جو جائے اور آئے شام
 تیرا اعزاز اور ترا انجام
 مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں تمام
 ایک ہی ہے امید گاہ نام
 غالب اس کا مگر نہیں ہے غلام
 تب کما ہے بطر ز استغنام

مہر تاباں کو ہو تو ہوا سے ماہ
 تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا
 جانتا ہوں کہ اُس کے فیض سے تو
 ماہ بن ماہتاب بن میں کون
 میرا اپنا جسدِ امسال ہے
 ہے مجھے آرزوئے بخششِ خاص
 جو کہ بختے گا تجھ کو فر فرور
 جبکہ چودہ من ازل نسلی
 تیرے پر تو سے ہوں فروغِ پذیر
 دیکھنا میرے ماتھے میں لبریز
 پھر غزل کی روشنی چل نکلا
 زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام
 تے ہی پھر کیوں نہیں پیئے جاؤں
 بوسہ کیسا یہی نصیب ہے
 کہے میں جا بجا نہیں گے ناتوس
 اُس قلع کا ہے دور مجھ کو نقد
 بوسہ دینے میں اُن کو ہے انکار
 چھڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے
 کہ چکامیں تو سب کچھ اب تو کہ ۱۵۹
 قریب ہر روز بر سبیلِ دوام
 جز بہ قریب عیدِ ماہِ صیام
 پھر بتا چاہتا ہے ماہِ تمام
 مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام
 اور کے لین دین سے کیا کام
 گر تجھے ہے ایسا رحمتِ عام
 کیا نہ دے گا مجھے مٹے گلہ نام
 کہ چکی قطع تیر سی تیزی کام
 کئے دھکے دھمن و منظورِ بام
 اپنی صورت کا اک بلوریں جام
 تو بن طبع چاہتا تھا گلام
 تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام
 غم سے جب ہو گئی ہو زیستِ حرام
 کہ نہ بھیس وہ لذت و شنام
 اب تو باندھا ہے دیر میں احرام
 چرخ نے لی ہے جس سے گردشِ ام
 دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام
 کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام
 لے پری چہرہ پیک تیز خرام

کون ہے جس کے در پہ تاصیہ سا
 تو نہیں جانتا تو مجھ سے شن
 قبلہ چشم و دل بہادر شاہ
 شہسوار طریت انصاف
 جس کا ہر فصل صورت اجمار
 بزم میں میسن زبان قیصر جم
 اے ترا لطف زندگی فضا
 چشم بہ دور خسروائے شکوہ
 جان نثاروں میں تیرے قیصر دم
 وارث ملک جانتے ہیں تجھے
 زور بازو میں مانتے ہیں تجھے
 مرجا موشگافی نادک
 تیر کو تیرے تیر غمیکر ہن
 رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند
 تیرے فیل گراں حبس کی صدا
 فن صورت گری میں تیرا گزر
 اُس کے مضروب کے سرو تن سے
 جب ازل میں رستم پذیر ہوئے
 اور اُن اوراق میں بہ کلک قضا ۱۶۰
 ہیں سرو و زہر و دہشدرام
 نام شاہنشاہ بلند مقام
 مظہر ذوالجلال و الاکرام
 نوبہار بیتہ اسلام
 جس کا ہر قول مبنی العلام
 رزم میں استاد رستم و سام
 اے ترا عہد فرخی فرجام
 لوحش اللہ عارفانہ کلام
 جرم خواروں میں تیرے مرشد جام
 ایرج و تور خسرو و بہرام
 گیو - گودرز و بیشن و ربام
 افسرین آبادی مصم
 تیغ کو تیرے تیغ خصم نیام
 برق کو دے رہا ہے کیا الزام
 تیرے خشیں سبک عنال کا خرام
 گر نہ رکھتا ہو دست گاہ تمام
 کیوں نمایاں ہو صورت ادغام
 صفحہ ہائے لیالی و ایام
 بملا منشد رنج ہوئے احکام



نظر میں ہے ہماری جاوہر ماہفت غالب
مگر یہ شیرازہ ہے عالم کے انجمنائے پریشان کا



لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کُش
 آسمان کو کہا گیا کہ کہیں
 حکم ناطق لکھا گیا کہ لکھیں
 آتش و آب و باد و خاک نے لی
 مہر رخشاں کا نام خسرو روز
 تیری توقع سلطنت کو بھی
 کاتب حکم نے بموجب حکم
 ہے ازل سے روانے آغاز
 مسجد دروازہ خاد کھلا
 خسرو خجسم کے آیا صحن میں
 وہ بھی تھی اک سیما کی سی نمود
 ایں کو اک کچھ نظر آتے ہیں کچھ
 سطح گردوں پر پڑا تھارات کو
 صبح آیا جانب مشرق نظر
 تھی نظر بندی کیا جب روزِ محرم
 لاکے ساقی نے صیہوی کے لیے
 بزم سلطانی جوئی آراستہ
 تاجِ نرین مہر تاباں سے سوا
 شاد روشن ہال بہادر شہ کہ ہے
 لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام
 گنبد تیز گرد نیلی فام
 خال کو دانہ اور زلف کو دام
 وضع سوز و غم و رم و آرام
 بادِ تاباں کا اسم شمعِ شام
 دی بدستور صورتِ ارقام
 اُس رستم کو دیا طرہِ زرد دام
 ہوا بدستور رسائی انجام
 مہر عالیاں کا منظر کھلا
 شب کو تھا گنجینہ کو کھلا
 صبح کو رازِ مروتِ خستہ کھلا
 دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا
 موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
 اک نگار آتشیں رخسار کھلا
 بادِ گلزارِ گام کا ساغر کھلا
 رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا
 کعبہ امن و امان کا دیکھلا
 خسرو آفاق کے منہ پر کھلا
 روزِ بستی اس پستار کھلا

وہ کہ جس کی صورت بخون میں
 وہ کہ جس کے ناخن تاویل سے
 پہلے دار کا بھل آیا ہے نام
 روشناسوں کی جہاں فرسبے
 تو سن شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب
 نقش پا کی صورتیں دولفریب
 بٹھپے فیض تربیت سے شاد کے
 لاکھ عقد بے دل میں تھے لیکن ہر ایک
 تعادل و استیاض بے کلید
 باغ معنی کی دکھاؤں کا بہار
 ہو جہاں گرم غزل خوانی نفس
 گنج میں بیٹھا رہوں یوں پرکھلا
 ہم پکاریں اور کھلے یوں کون طے
 ہم کو ہے اس راز داری پر گھنٹ
 واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ
 ہاتھ سے رکھ دی کب ابرو لے کہاں
 مفت کا کس کو بُرا ہے ہرقہ
 سوز دل کا کیا کرے باران اشک
 نامے کے ساتھ آگیا پیغام مرگ ۱۶۶
 مقصد نہ پرغ و ہفت اختر کھلا
 عقد ذرا کام پنبہ بکھلا
 اس کے سرنگوں کا بٹ بکھلا
 وال نکلا ہے چہرہ قیصر کھلا
 تھان سے وہ غیرت ضرر کھلا
 ٹوٹے تھانہ آذر کھلا
 منصب مہر و سرور کھلا
 میری صد دُشع سے باہر کھلا
 کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا
 مجھ سے گشت و سخن گستر کھلا
 لوگ جانیں طبلہ عنبر کھلا
 کاشکے ہوتا نفس کا در کھلا
 یار کا دروازہ پائیں گے کھلا
 دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا
 زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا
 کب کرے غم کے خنجر کھلا
 رہروی میں پردہ رہب کھلا
 آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھبھ کھلا
 رہ گیا خط میری چھپاتی پر کھلا

دیکھو غالب سے گرا بھاکوئی
 پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال
 خامے نے پانی طبیعت سے مدد
 فرج سے مدوح کی دیکھے شکوہ
 مہر کا نیا پسرخ چکر کھا گیا
 بادشہ کا نام لیتا ہے خلیب
 سکا شہ کا ہوا ہے روشناس
 شاہ کے آگے دھرا ہے آئند
 ملک کے وارث کو دیکھا غل نے
 ہو سکے کیا مع ہاں اک نام ہے
 فکر اچھی پرستیش ناتمام
 جانتا ہوں ہے خط لوح ازل
 تم کرو صاحب قرانی جب تک
 ہے دل پوشیدہ اور کا فر کھلا
 پھر مر و غور شہید کا دفتر کھلا
 بادشاہ کے اٹھتے ہی لنگر کھلا
 عرض سے یاں تبس جو ہر کھلا
 بادشہ کا رایت لشکر کھلا
 اب غلہ پایہ منبر کھلا
 اب عیار آبرو نے زر کھلا
 اب مال سی اس کند کھلا
 اب فریب طنزل و سبخر کھلا
 دفتر مع جہاں داو کھلا
 عجز اعجاز ستایش گر کھلا
 تم پہ اسے خافت نام آور کھلا
 ہے طلسم روز و شب کا در کھلا

در صفت انہ

ہاں دل در دامن زمزم ساز
 کیوں نہ کھولے درخیزینہ راز
 خامر کا صفحہ پر رواں ہونا
 شاخ گل کا ہے گلنشاں ہونا
 مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھے
 نکتہ مانے خسہ و فتنہ لکھے
 بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
 خامر نخل رطب نشاں ہو جائے

آم کا کون مرد میسداں ہے
 تاک کے جی میں کیوں رہے اماں
 آم کے آگے پیش جائے خاک
 نہ چلا جب کسی طسح معتدور
 یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے
 مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے
 نخل اُس میں نہ شاخ و برگ نہ بار
 اور دوڑاٹھے قیاس کہاں
 جان میں ہوتی گر یہ شیرینی
 جان دینے میں اُس کو یکتا جان
 نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر
 آتش گل پہ قند کا ہے قوام
 یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے
 انجلیں کے حبسِ کربِ اناس
 یا لگا کر خضر نے شاخ نبات
 تب ہوا ہے ثمرِ شاں یہ نخل
 تھا ترنج زر ایک خسرو پاس
 آم کو دیکھتا اگر اک بار
 رونق کار کا وہ برگ و نوا ۱۹۸

ثمر و شلخ گوئے و چوگن ہے
 آئے یہ گوئے اور یہ میسداں
 پھوڑتا ہے جٹے پھپھو لے تاک
 بادِ ناب بس گیا انگور
 شہم سے پانی پانی ہونا ہے
 آم کے آگے نیشکر کیا ہے
 جب خزاں آئے تب ہو اس کی بہار
 جان شیریں میں پٹھاس کہاں
 کو ممکن باوجود غمِ گینہی
 پرودیوں سہل دے نہ سکتا جان
 کہ دوا حسنا ازل میں مگر
 شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام
 باغباؤں نے باغِ جنت سے
 بھر کے بھیجے ہیں سر بہرِ گلاس
 نہ توں تک دیا ہے آبِ حیات
 ہم کہاں در نہ اور کہاں پھنسل
 رنگ کا زرد پر کہاں بو باس
 پھینک دیتا طلائے دست افشار
 نازشیں دودمانِ آب و ہوا

تجربیات و مشاهدات در هندوستان
شب کوکب در این کتاب آمده است





رہبر و راہِ خلد کا تو ش طوبی و سدرہ کا جگر گوش
 صاحب شاخ و برگ و بار ہے آم ناز پروردہ بہار ہے آم
 خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو نورِ غنجل باغِ سلطان ہو
 وہ کہ ہے والی ولایتِ عہد عدل سے اُس کے ہے حمایتِ عہد
 فخر دیں عزیزِ شان و جاوِ جلال زینتِ طینت و جمالِ کمال
 کار فرماں بزمِ دولت و بہت چہرہ آرائے تاج و سند و تخت
 سایہ اُستین کا سایہ ہے خلق پر وہ خند اکا سایہ ہے
 اے منیر و شہِ سایہ و نور جب تک ہے نورِ سایہ و نور
 اس خند پر بندہ پرور کو وارثِ گنج و تخت و نسر کو
 شاد و دل شاد و شادمان کیو اور غالبِ پیہرِ بیاں کیو

قطعات

اے شہنشاہِ فلک نظر ہے مثل و نظیر اے جہاندارِ کرم شہوہ ہے شب و عدیل
 پاؤں سے تیرے تلے فرقِ ارادت اور نگ فرق سے تیرے کرے کب سعادتِ کلیل
 تیرا اندازِ سخن شائد ز لعلِ الہام تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ حبسِ رمل
 تجھ سے عالم پہ کھلا رابطہٴ قربِ کلیم تجھ سے دنیا میں بچھا مائدہٴ بذلِ غلیل
 سخنِ اوج دو مرتبہٴ معنی و لفظ بکرمِ داغ نہ ناصیہٴ قلم و نیل
 تاترے وقت میں ہو عیشِ طرب کی توقیر تاترے عہد میں ہو رنجِ دالم کی تسکین

ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر
 تیری دانش مری اصلاح مفاسد کی رہن
 تیرا اقبال ترش مری جینے کی نوید
 بختِ ناساز نے چاکا کر دے بھکواں
 پیچھے ڈالی ہے سرِ شستہ اوقات میں گانٹھ
 پیشِ دل نہیں ہے رابطہ خوفِ عظیم
 دُرمی سے مرا صفحہ لقا کی وارھی
 فکر میری گمراہ و زراست کثیر
 میرے ابھام پہ ہوتی ہے تصدق توضیح
 نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تحلیف
 قبلہ کون و مکان خستہ نوازی میں یہ
 گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری
 بس اب بگڑے پکیا شرمندگی جانے دو بل جاؤ
 کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہنشیں
 وہ ہنر و زار ابے مٹا کر ہے غضب
 صبر آنا وہ اُن کی نگاہیں کہ ہفت نظر
 وہ بیوہ ماے تازہ و شیریں کہ داد داد

زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل
 تیری بخشش مری انجلیح مقاصد کی کفیل
 تیرا انداز تغافل مری مرنے کی دلیل
 چرخِ کج باز نے چاکا کرے مجھ کو ذلیل
 پہلے ٹھونکی ہے بنِ ناخن تدبیر میں کھیل
 کششِ دم نہیں ہے اہلِ جبر و قہر
 غم گیتی سے مرا سہل امن کی ذلیل
 کلک میری رستہ زبیر عبارتِ قلیل
 میرے اجمال سے کرتی ہے تراشِ تفصیل
 جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعبیل
 کعبہ امن و امان عقدہ کشائی میں فیضیل
 کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے
 قسم لوہم سے گریہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے
 اک تیر میرے سینہ میں مارا کہ لٹے لٹے
 وہ نازیں بتان خود آرا کہ لٹے لٹے
 طاقت رُبا وہ اُن کا اشارا کہ لٹے لٹے
 وہ بادو ماے ناپ گوارا کہ لٹے لٹے

در تعریفِ ڈلی

ہے جو صاحبِ کعبہ دست پہ یہ چکنی ڈلی ۱۴۲ زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہئے

خامہ انگشت بہ مذاں کہ اسے کیا لکھیے
 مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھیے
 ہسی آلودہ انگشت سیناں لکھیے
 خاتم دست سیماں کے مشابہ لکھیے
 اختر سوختہ قیاس سے نسبت دیجے
 خیر الاسود دیوار حرم کیجے فرض
 وضع میں اس کو اگر سمجھے قاف تریاق
 صومے میں اسے ٹھہرائے گر مہر ناز
 کیوں اسے قفل درہ گنج محبت لکھیے
 کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیجے
 کیوں اسے تکرہ پیرا ہن لیسدا لکھیے
 بندہ پرورد کے کتب دست کو دل کیجے فرض
 نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور والا نے
 نکھاتے گیوں نکھتے نہ غلہ سے باہر

سہرا

خوش ہوا ہے بخت کہ ہے آج ترے سہرا
 کیا ہی اس چاند سے کھڑے پہچلا لگتا ہے
 سر پہ چرخا تجھے پہنتا ہے پرے طرف کھاد
 ناؤ بھر ہی پردے گئے ہو گئے موتی ۵۵
 بانہ شہزادہ ہواں بخت کے سر پر سہرا
 ہے ترے حسن دل ہنسوز کا زیور سہرا
 مجھ کو ڈر ہے کہ نہ جھینے ترا لمبر سہرا
 ورنہ کیوں لانے میں گشتی میں لگا کر سہرا

سات دریا کے فراہم کیے ہوئے موتی
نُخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا
یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبائے بڑھ جائے
جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں میں اک چیز
جبکہ اپنے میں سادیں نہ خوشی کے مارے
نُخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک
تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بار
ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
منظور ہے گزارشیں احوال واقعی
سو پست سے ہے پیشہ آبا پسہ سگری
آزادہ زوہوں اور مراسلک بے صلح کل
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
اُستادش سے ہونجھے پر خاش کا خیال
جام جہاں نا ہے شہنشاہ کا ضمیر
میں کون اور ریحنتہ ہاں اس سے مدعا
سہرا لکھا گیا زردہ امتثال امر
مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
رُوی سخن کسی کی طرف ہو تو رُوسیہ
قسمت بری سی پہ طبیعت بری نہیں ۱۴۶
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا
ہے رگ ابر گہر بار سراسر سہرا
رو گیا آن کے دامن کے برابر سہرا
چاہیئے پھولوں کا بھی ایک نمک سہرا
گو نہ ہے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا
کیوں نہ دکھلائے فردغ مر و آخر سہرا
لائیکا تاب گرا نباری گوہر سہرا
دیکھیں اس سرے سے کدے کوئی بہتر سہرا
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
جز انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے
سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ

کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

درج

نصرت اللہ بہادر مجھے بتلا کہ مجھے
گر چہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
اور میں وہ ہوں کہ گرمی میں کبھی غور کروں
خستگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے ہر دست
باتھ میں تیرے ہے تو سن دولت کی عناں
تو سکندر رہے مرا فخر ہے ملتا تیرا
اُس پہ گزرے نگہاں ریو د ریا کا زہناں
ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو
جو آئے جام بھر کے پیئے اور ہو کے ست
بٹے ہیں ہونے روپے کے چھلے حضور میں
یوں سمجھئے کہ بیچ سے خالی کیئے ہوئے
غالب یہ کیا بیاں ہے بجز بیچ باہشاہ
تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے
رو بہ بزم مہمیں تری ذات سے ہے
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے
نسبت اک گونہ مرے دل کو تھے بات سے ہے
یہ دعا شام و سحر قاضی حاجات سے ہے
گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے
غالب خاک نشیں اہل خرابات سے ہے
رکھ دیں چمن میں بھر کے نئے مشکبو کی نانہ
بہرے کو رو نہ تا پھرے پھولوں کو جائے پھانہ
ہے جن کے آگے سیم و زر مرد و ماہ ماند
لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور میثار چاند
بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند

درج شاہ

اے شاہ جہانگیر جہاں بخش جہاندار
جو عقدہ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو
ملن ہے کہ خضر سکندر سے ترا ذکر
گر لب کو نہ لے چہرہ جیواں سے طہارت
بے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت
تو دا کرے اُس عقدہ کو سو بھی بشارت

ہے فخر سیماں جو کرے تیری وزارت	آصف کو سیماں کی وزارت سے شرف تھا
ہے داغ غلامی ترا تو قیغ امارت	ہے نقش مریدی ترا فسر بان الہی
تو آگ سے گردغ کرے تابِ شہادت	تو آب سے گریب کرے طاقتِ سیلاں
باقی نہ ہے آتش سوزاں میں حرارت	دھونڈے نہ ملے موجِ دریا میں روانی
ہے گرچ مجھے سحر طرازی میں مهارت	ہے گرچ مجھے نکتہ سرائی میں ثواب
قاصر ہے شکایتِ حق میری عبارت	کیونکہ نہ کروں مع کوئی ختم دعا پر
نفاذ کی صفتِ حق اہل بصارت	نوروز ہے آج اور وہ دن اگر ہوئے ہیں
غالب کو ترے قہدِ عالی کی زیارت	تجھ کو شرفِ مہر جہاں تاب مبارک
اس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے	افطارِ صوم کی کچھ اگر دست گاہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے	جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو

گزارشِ مُصنّف بحضورِ شاہ

اے جہاندار آفتابِ آثار	اے شہنشاہِ آسماں اور نگ
تھامیں اک درد مند سینہ فگار	تھامیں اک بینوائے گوشہ نشین
ہوئی میسر وہ گرمی بازار	تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
روحِ شناسِ ثوابت و سیار	کہ ہوا مجھ سے ذرہ ناچیز
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار	گرچہ از روئے ننگ بے بہری
جاتا ہوں کہ آئے خاک کو عار	کہ گر اپنے کو میں کموں خاکی
بادشہ کا سلام کار گزار	شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں ۱۰۰

خانہ زاد اور مرید اور مداح
 بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر
 نہ کہوں آپسے تو کس سے کہوں
 پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں
 کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش
 کچھ خریدائیں ہے اب کے سال
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ
 آگ تاپے کہاں تک انسان
 دھوپ کی تابش آگ کی گرمی
 میری تنخواہ جو مفت تر رہے
 رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات
 بسکد لیتا ہوں ہر مہینے قرض
 میری تنخواہ میں ہتھائی کا
 آج مجھ سانہیں زمانے میں
 رزم کی داستان اگر سینے
 بزم کا التزام گر کیجے
 ظلم ہے گردن دو سخن کی داد ۱۴۹
 تھا ہمیشہ سے یہ عریض نگار
 نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
 مدعاے ضروری الاظہار
 ذوق آرائش سر و دستار
 تانہ دے باد زمہریر آزار
 جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
 کچھ بنایا نہیں ہے ابکی بار
 بھاڑ میں جائیں ایسے بیل و نہار
 دھوپ کھاوے کہاں تک جاندار
 وقار تبنا عذاب النار
 اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنغار
 خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
 اور چھ ماہی ہوسال میں دوبار
 اور رہتی ہے سود کی تکرار
 ہو گیا ہے شریک سا ہوکار
 شاعر نغز گوے خوش گفتار
 ہے زباں میری تیغ جو ہر دار
 ہے قلم میسر ابر کو ہر بار
 قہر ہے گردن دو سخن کی داد ۱۴۹

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا
 آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار
 میری تنخواہ نیچے ماہ بہ ماہ
 تانا ہو مجھ کو زندگی دشوار
 ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام
 شاعری سے نہیں مجھے سروکار
 تم سلامت رہو سزا برس
 جبر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
 یہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے
 جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
 ہوا نہ غلبہ شستر کبھی کسی پہ مجھے
 کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے
 سنل تھا سہل ولے یہ سخت مشکل آپڑی
 مجھ پہ کیا گزریگی اتنے روز حاضر دین ہوئے
 تین دن سہل سے پہلے تین دن سہل کے بعد
 تین سہل تین تبریں یہ سب کے دن ہوئے
 خجستہ انجمن طوئے میرزا جعفر
 کہ جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی محفوظ
 ہوئی ہے ایسے ہی فرزند سال میں غالب
 نہ کیوں ہو مادہ سال عیسوی محفوظ
 ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی
 ہوا بزم طرب میں رقص ناہید
 کما غالب کا تاریخ اس کی کیا ہے
 تو بولا راز شہرچہ جشن جمشید
 گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں
 دربار دار لوگ ہم آشنا نہیں
 کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام
 اس سے ہے مراد کہ ہم آشنا نہیں

رُبَاعِیَّات

بعد از اتمام بزم عید اطفال
 ایام جوانی رہے ساغر کش حال
 آہنچے میں تا سواد استلیم عدم
 اے عمر گزشتہ یک قدم استقبال



دھند سے ہے اس سنی اس نفس کو ہی
جس کی صدا ہو بلوں پر قی قنابٹے



شب زلفت و مِخ عرق نشان کا غم تھا کیا شج کر دں کطر فتر عالم تھا
 رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تک ہر قطرہ اشک دیدہ پڑ نہ تھا
 آتش بازی ہے جیسے شغل اطفال ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال
 تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی لڑکوں کے لیے گیا ہے کیا کھیل کمال
 دل تھا کہ جو جان دردِ تمہید سی بیتابی رشک و حسرت دیدہ سی
 ہم اور فردن اے تجلیِ افسوس تکرارِ روا نہیں تو تجسید سی
 ہے خلقِ حسد قماش لڑنے کے لیے وحشت کدہ تلاش لڑنے کے لیے
 یعنی ہر بار صورت کا غنہ باد ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لیے
 دل سخت نثر نہ ہو گیا ہے گویا اُس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا
 پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں غالب مُنہ بند ہو گیا ہے گویا
 دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب دل رُک رُک کر بند ہو گیا ہے غالب
 وائند کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں سونا سو گند ہو گیا ہے غالب
 مشکل ہے زبں کلام میرا اے دل سُن مَن کے اُسے سخنورانِ کامل
 آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمایش گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل
 بھیجی ہے جو مجھ کو شاہِ مجاہد نے دال ہے لطف و عنایاتِ شہنشاہِ پُال
 یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال
 ہیں شہ میں صفاتِ ذوالجلالی باہم آثارِ جلالی و جمالی باہم
 ہوں شاد نہ کیوں سافلِ عالی باہم ہے اہکے شبِ قدر و دوالی باہم
 حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے تا شاہِ شیوع دانش و داد کرے

یہ دی جو گئی ہے رشتہ عمر میں گانٹھ
 اس رشتہ میں لاکھ تازہوں بلکہ سوا
 ہر سیکڑہ کو ایک گردہ فرض کریں
 کہتے ہیں کہ اب وہ مردم ناز نہیں
 جو ہاتھ کو ظلم سے اٹھایا ہو گا
 ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے
 کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ
 سامان خور و خواب کہاں سے لاؤں
 روزہ مرا ایمان ہے غالب لیکن
 ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے
 گن کر دیویں گے ہم دعائیں سوار ۱۸۶
 ہے صفر کہ افزائش اعداد کرے
 اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا
 ایسی گرہیں سزا ہوں بلکہ سوا
 عشاق کی پرسش سے اُسے حار نہیں
 کیونکہ مانوں کہ اُس میں تلوار نہیں
 کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے
 وہ آپ میں صبح و شام کرنے والے
 آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
 خن خانہ و برفاب کہاں سے لاؤں
 نبھیجے ہیں جواڑ منساں شہر والا نے
 فیروزہ کی تسبیح کے بیس یہ دانے



محمد ہاشم کاتب (متوطن قصبہ آسیون ضلع اوٹاؤ - اودھ) مقیم لاہور



انتخاب

مکمل نہیں کہ جہول کے بھی ازیادہ ہوں
نیں دشتِ غم میں آہوئے صیاد و دیدہ ہوں
ہوں درد مند جبر ہو یا اختیار ہو
گو نالہ کشیدہ گر شکابِ پیشہ ہوں
پیدہ نہیں ہے اہلِ تگ و تا ز جستجو
مانند موجِ آب ز بانِ بریدہ ہوں
جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریںِ دہن
از بکدِ تمہی عنسِ جہڑں پیشہ ہوں
نے مجھ سے علاقہ نے ساغر سے واسطہ
میں معضِ مثال میں ست بریدہ ہوں
جوں خاکسار پر یکسی سے ہے جھکنا لاگ
نے دانہ فقاہد ہوں نئے امید ہوں
اہلِ دمع کے حلقہ میں ہر خید ہوں فاسیل
پر عاصیوں کے زمرہ میں میں برگزیدہ ہوں
ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ
یعنی کلامِ لغزو نے ناشنیدہ ہوں
ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج
میں عند لبِ گلشنِ نا آفسریدہ ہوں

تماشا نے گلشنِ تنہا نے چیدن
بہارِ آفسر یا گنگا جی ہم
اسد شکر و کفر و دانا پاشی
جو ہم تنہا سے ناچار ہیں ہم

جہ آؤنی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم آئین جگت میں غمت جی کیوں ہو
جنگلِ زمینی جہت ہے قہقال
حاصل نہ کیجئے دہر سے عورت جی کیوں ہو

میں چشمِ پاکشاد و گلشنِ نظرِ زریب
ظہنِ عجب کر شبنمِ نورِ شیدہ ہوں
پانی سے سگ زیدہ ذرے بجز ایک
دوتا ہوا آئینہ سے کمر و گرم زیدہ ہوں

کمال بندگی گل ہے رہیں آزادی
ز دست شمشیر خس او خارا آشیان فریاد
جواب سنگدلیاے دشمنان بہشت
ز دست شمشیر دلائے دوستان فریاد

ہم غلط کھتے تھے لیکن زخم دل پر کس
آخراں پردے میں تو ہستی بھی لے صبح وصال
شکوہ درد و داغ لے بوجھا معذرت رکھ
خون بہائے جہاں اُسید ہے تیرا خیال

فریبِ صفت ایجاد کا تاساں دیکھ
ہنگامِ عکسِ فروش و خیال آئینہ ساز
جو ہم فکرست دلِ شل میں لرزے ہے
کو شیش نازک و مہیا کئے آئینہ گذار

شکوہ و شکوہ کو شمر بیم و امید کا سمجھ
خانا آگنی خراب دل نہ سمجھ بلا سمجھ
دشست درد ویکسی بے اثر اس قدر نہیں
رشتہ عمرِ خضر کو نالہ نار سا سمجھ
گاہ بہ غلہ امید وار گر بہ جھیم بیم ناک
گر چہ خدا کی یاد ہے کلفت ماسوا سمجھ
اُسے بہ سراپ حسنِ خلق تشبیہ می امتحاں
شوق کو منفصل ذکر ناز کو استجا سمجھ
نے سرورِ برگ آرزو نے رہ و درمِ شکو
اُسے دل جانِ خلق تو ہم کو بھی آشنا سمجھ

میں ہوں شتاقِ جفا مجھ پہ جفا اور سی
تم ہو بیداد سے خوش اس سے ہوا اور سی
تم ہو بخت پھر تمہیں پندارِ خدائی کیوں ہے
تم خداوند ہی کہلاؤ حسد اور سی
کیوں ز فردوس میں دوزخ کو بلا لیں یا رب
سیر کے واسطے قنویں سی فضا اور سی

عرض ہر شک پر ہے فضاے زما زیننگ
صحر اکہاں کہ دعوتِ دریا کرے کوئی

ابر روتا ہے کہ بزمِ طرب آمادہ کرو
برقِ ہفتی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہم کو

ہے جہاں فکر کشیدہ نئے نقشِ روئے یار
ماہتابِ ہلالِ پیرا اگر وہ تصویر ہے

منظرِ اکِ بلندی پر اور ہم بنا سکتے
کاش کہ ادھر ہو تاعرش سے مکاں اپنا

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود ہیں کہ ہم
اٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر دانہ ہوا

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ

دامِ ہر موج میں ہے حلقہٴ صد کامِ تنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہوئے تنگ

جو تھا سو موجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا
اے دوائے نالہ لبِ خونیں نواے گل

گل کھلے غنچے چکنے لگے اور صبح ہوئی
سرخوشِ خواب ہے وہ زگرِ سرِ مخمور ہنوز

اُڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا
آسمان نے بچھا رکھا تھا دام
جہاں تنہا کا دوسرا قدم یار
ہم نے دشتِ مکان کو کیا نقشِ پایا

یار ہیں تو خوابِ یار بھی دست و کھٹو
یہ شہرِ خیال کہ دنیا کہیں جیتے
نماں ہے کہ ہر قصورِ جیبِ خود شناسی میں
کیاں تھا جس سے تشال اور آئینہ دریا ہے

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سسیر کریں کوہِ طور کی
گو دوائیں نہیں پتوں کے کھالے ہوئے تو ہیں
کہے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

بس نجوم ناسیدی خاک میں مل جائیگی
یہ جو کہ لذت ہماری سہمی لا حاصل میں ہے
وفا کی کسی کماں کا عشق جب سر پھوڑا ٹھہرا
تو پھر اسے شکل تیرا ہی سنگ تاستاں کیوں ہو

زلف شیاں نازک و اظہار ہست
یار بیاں شش ز کیش گشتگو نہ ہو
و دزدہ ہم میں کہیں دشناں خلق لے نذر
نہ تم کو چرے عمر جاوداں کے لئے

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نار پا بسند نے نہیں ہے
تھر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاش کہ تم ہرے لئے ہوتے

ساغر جلوہ سرشار ہے ہر ذرہ خاک
شوق دیدار بلا آئینہ سامان نکلا

اسد یہ مجز و بے سامانی فرعون تو ام ہے
جسے تو بندگی کتا ہے و عوبی ہے خدائی کا

خبر نگہ کو نگہ چشم کو عدو جانے
وہ جلوہ کر کہ زمین جانوں اور نہ تو جانے

دو نوجہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا
یاں آپڑی یہ شہرم کہ تکرار کیا کریں

یک گام بخودی سے لوئیں بہار صحر
آغوش نقش پا میں کیجئے فشار صحر

ربط یک شیراز و دشت ہیں اجڑاے بہار
سبز بیگانہ - صبا آوارہ - گل نا آشنا

چاک مت کر جیب بے ایام گل
کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہئے

بت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
دواک نگہ کہ بغا ہر نگاہ سے کم ہے





